باسمہ سبحانہ

من وجد فی قلبہ محبتنا فلیشکر امہ

(فرمان امام جعفر صادقؑ)

محبتِ شہِ مرداں مجوز بے پدرے
کہ دستِ غیر گرفت است پائے مادرِ او

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں

آئینہ اہلِ تسنّن

(بجواب)

آئینہ اہلِ تشیّع

از جناب مولوی سیّد نفیس الرّضا حسین

فاضل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا

باہتمام

لبعض مومنین کرام در

طبع شد

قیمت ۸ آنے

پیش لفظ

اسلام! ہائے اسلام تیری رام کہانی نہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اور نہ سنی۔ ایک تو وہ دور تھا جو اس تیری روز بروز بڑھتی ہوئی عظمت و جلالت اور شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" لوگ گروہ گروہ تیرے حلقہ بگوش ہوتے تھے۔ اور اب تیری غربت وبیکسی اور کس مپرسی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ "یخرجون من دین اللہ افواجاً" اب لوگ گروہ گروہ ہو کر تیرے دائرہ سے خارج ہو رہے ہیں۔ اور الثابت علی دینہ کالقابض علی الجمرۃ اپنے دین پر ثابت قدم رہنا اتنا مشکل و سخت ہو گیا ہے۔ جتنا آگ کا انگارا ہاتھ پر اٹھانا۔ آجکل کفر و ارتداد کا جو بازار گرم ہے اور مسلمانوں کو جس طرح کفر و الحاد کے چاہ میں ڈالا جا رہا ہے۔ اس سے کون باخبر و بابصیرت انسان انکار کر سکتا ہے۔ اس لئے اس وقت ضرورت اور سخت ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام فرقہائے اسلام اپنے داخلی اختلافات کو ختم کر کے یا نظر انداز کر کے اور متفق ہو کر کفر و الحاد کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر کے فتنۂ ارتداد کا سدباب کرتے۔ اور بیچارے سادہ لوح مسلمانوں کو راہزنان دین کے ہتھکنڈوں سے نجات دلاتے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" اس نازک ترین دور میں بھی بعض ایسے ناعاقبت اندیش عنصر موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے داخلی اختلافات کو ہوا دیکر باہمی افتراق و انشقاق کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی مذموم سعی کر رہے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنی ان تخریبی کارروائیوں کو خدمت اسلام کا نام دے رہے ہیں ۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

چنانچہ پچھلے دنوں لاہور کے کسی نام نہاد سید عبدالرحمٰن گیلانی نے ایک نہایت مفسدانہ اقدام کیا ہے۔ اور ایک رسالہ بنام "آئینہ اہل تشیع" لکھ کر شیعہ خیر البریہ اور اور مذہب شیعہ کے خلاف اس بیہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے کام لیا ہے۔ کہ شرافت و انسانیت کے ماتھے پر عرق انفعال آجاتا ہے۔ اور ایک مؤدب و مہذب انسان الامان والحفیظ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس میں عوام الناس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں ؎

مامریداں رو بسوئے صبح چوں آریم چوں　　　رو بسوئے نفتہ و بیکار دارد پیر ما

ہم فی زماننا ہذا اس قسم کے مسائل میں الجھنا اسلام کی کوئی صحیح خدمت نہیں سمجھتے لیکن بموجب من اغضب ولم یغضب فہو حمار جسے خواہ مخواہ غضبناک کیا جائے۔ اور اسے غصہ نہ آئے۔ تو وہ گدھا ہے۔ چونکہ مؤلف نے خواہ مخواہ ہماری اور ہمارے پاکیزہ مذہب کی توہین و تذلیل کی ہے۔ اس لئے بطور دفاع حقیقت حال کا اظہار مناسب معلوم ہوا۔ تاکہ ان کی ابلہ فریبیوں اور سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کیا جائے۔ ملکہ باایں ہمہ شاید پھر بھی آیت مبارکہ واذا خاطبتھم الجاھلون قالوا سلاما۔ تلاوت کر کے خاموش رہتے۔ یا زیادہ سے زیادہ قلمی جواب لکھ کر مؤلف کے پاس روانہ کر دیتے لیکن اس کا کیا علاج کہ مؤلف نے اپنے خبث باطن کے پیش نظر بار بار مذہب حقہ کے علماء و مجتہدین کو شافی جواب اور وہ بھی طبع شدہ ارسال کرنے پر وادار کیا ہے۔ (آئینہ اہل تشیع ص۲)

ہمارے علماء و مجتہدین کی شان تو اس سے کہیں اجل و ارفع ہے۔ کہ وہ ایسے ذلیل انسانوں کے منہ لگائیں۔ ہاں ہم خادم العلماء ایسے بے لگاموں کے منہ میں لگام دینے کے لئے موجود ہیں۔

ہم علمائے عظام اور مہذب ناظرین کرام سے ادب کے ساتھ معذرت خواہ ہیں
کہ اس سلسلہ میں ہمیں تلخ حقائق کے اظہار اور یہ طرز تحریر اختیار کرنے پر مجبور و معذور
تصور فرمائیں۔ اور جنہوں نے گیلانی صاحب کا رسالہ ملاحظہ کیا ہے۔ وہ تو یقیناً بموجب
قاعدہ "البادی اظلم" ہمیں معذور ہی سمجھیں گے۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے
بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے

ہم نے اس کی بیہودہ گوئی، زبان درازی اور بہتان تراشی سے تنگ آکر ایسا کیا ہے۔
ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ابطال سحر کے لئے سحر بھی جائز ہو جاتا ہے ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

نوٹ :- واضح ہو کہ مؤلف نے اپنے رسالہ میں مذہب حقہ پر ۴۳ عدد اعتراضات
وارد کئے ہیں۔ ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ ان کا اصل اعتراض نقل کر کے اس کے
ذیل میں جواب لکھا ہے۔ تاکہ متلاشیان حق کو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے
میں آسانی ہو۔ ہاں البتہ ہم نے ان کے حاشیہ آرائیوں اور یادہ گوئیوں کو
حذف کر دیا ہے۔

احقر مؤلف
(عفی عنہ)
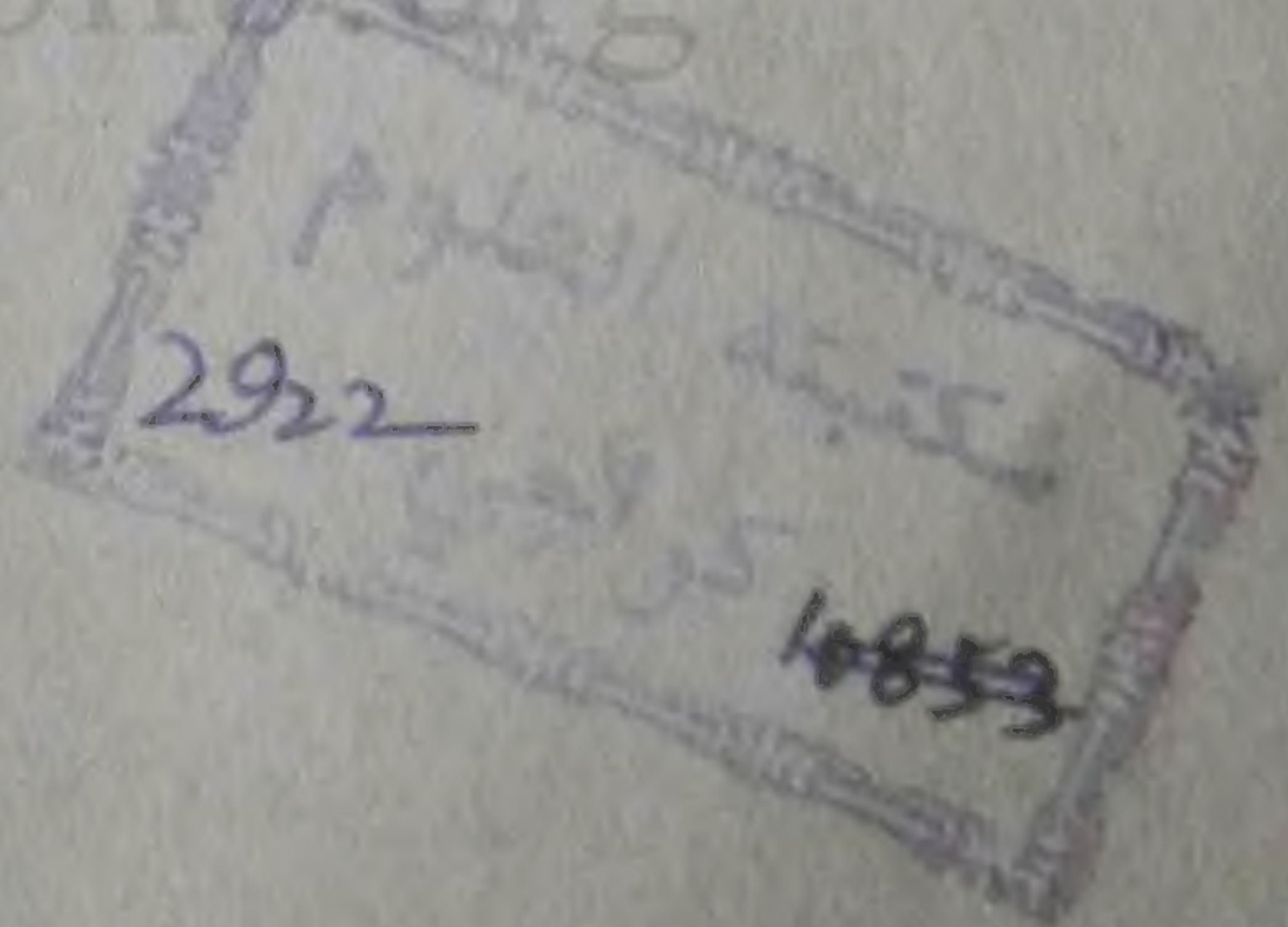
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہذا اوان الشروع

فی المقصود

بعون اللہ الودود

اعتراض اوّل: گیلانی صاحب رقمطراز ہیں۔

"حضرت امام حسینؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت بلکہ اپنے آپ کو اس کا ایسا غلام بتلایا کہ حق فروخت دیدیا۔"
دیکھو کتاب فروع کافی جلد سوم ص۱۱۱ مطبع نولکشور لکھنؤ۔

"الجواب بعون اللہ الملک الوہاب" پہلی بسم اللہ ہی غلط ہے یہ واقعہ نہ اصول کافی میں ہے اور نہ فروع کافی میں۔ بلکہ روضۂ کافی میں ہے۔ جو فروع کافی جلد سوم کے ہمراہ طبع ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے نقل در نقل سے کام لیا ہے اور اصل کتاب کو نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا ہے۔ تو یہ امتیاز کرنے کی اہلیت و قابلیت سے بے بہرہ ہے۔ جب پہلے حوالہ کا یہ عالم ہے۔ تو ع "قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا"

بہر حال یہ واقعہ روضۂ کافی ص۱۱۱ پر مندرج ہے۔ اور از روئے قانونِ درایت کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں درج ہے کہ واقعہ حرّہ کے بعد یزید عنید مدینہ منورہ میں گیا۔ اور وہاں امام عالی مقام کے ساتھ ایک طویل مکالمہ کیا۔ اور پھر یہ بیعت والا واقعہ رونما ہوا۔ حالانکہ اربابِ سیر و تواریخ کا اجماع و اتفاق ہے۔ کہ یزید عنید اپنی امارت کے ایام میں مدینہ ہرگز نہیں گیا۔ اسی بنا پر سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ

نے شرح روضہ ص ۳۴۹ طبع ایران اس واقعہ کے ذیل میں لکھا ہے ھذا غریب اذا المعروف بین اہل السیر ان ھذا الملعون بعد الخلافت لم یات المدینۃ "یہ واقعہ عجیب و غریب ہے کیونکہ اہل سیر و تواریخ میں مشہور و معروف یہی ہے کہ "یہ ملعون اپنی امارت کے دوران مدینہ کبھی نہیں گیا" پس جب اس ملعون کا مدینہ جانا ہی ثابت نہیں تو اس قصہ کی ساری دیوار ہی مسمار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر گیلانی صاحب کو اس واقعہ کی صحت پر اصرار ہے۔ تو براہ کرم کسی مستند اسلامی تاریخ (اگرچہ اہل سنت کی لکھی ہوئی ہو) سے یہ ثابت کریں کہ یزید اپنی خلافت کے ایام میں مدینہ گیا ہے۔ تو ہم اس واقعہ کو تسلیم کر لیں گے ہاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اگر گیلانی صاحب یہ امر ثابت کر دیں (لیکن قیامت تک نہیں کر سکتے) تو فبہا ورنہ ہم عرض کریں گے ؎

ہٹ چھوڑیے بس اب سر انصاف آیئے   انکار ہی رہے گا مری جان کب تلک

علاوہ بریں یزید یہ جرأت و جسارت کبھی کیسے کر سکتا تھا۔ وہ ابھی ابھی یہ منظر دیکھ چکا تھا کہ اسی مطالبہ بیعت پر امام زین العابدین علیہ السلام کے والد ماجد حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے اپنا نفس و نفیس سب کچھ قربان کر دیا۔ لیکن اس ملعون کی بیعت کی ذلت قبول نہ کی۔ تو کیا اس واقعہ ہائلہ میں یزید کے لئے یہ درس عبرت نہ تھا۔ کہ یہ خاندان ایسا ہے کہ حق کی تائید میں مر مٹتا ہے اور یہ موت سے نہیں ڈرتا! ۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ زین العابدین علیہ السلام کے رگ و ریشہ میں حسین بن علی علیہما السلام کا خون دوڑ رہا ہے۔ تو کیا یزید اتنا احمق تھا۔ کہ پھر ان سے بیعت کا مطالبہ کرتا ؟ اور اس پر مستزاد یہ کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں انہیں موت کی دھمکی دیتا۔ اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ کہ وہ بزرگ جن کا مقولہ تھا کہ "ان القتل لنا کرامۃ" راہ خدا میں شہادت ہمارے لئے باعث

عزت و کرامت ہے۔ وہ موت سے مرعوب ہو کر باطل کے سامنے سپر انداختہ ہو جائے۔
یا للعجب ع لسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

اعتراض (۲) حضرت علیؑ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح (جو حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی حقیقی بیٹی اور امام حسنؑ اور حسینؑ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں) بتولیت خود حضرت عمر (خلیفہ دوم حضرت رسول علیہ السلام) سے کر دیا (آئینہ تشیع ص۳)

الجواب۔ ہم اس قسم کے فرسودہ اور بیسیوں دفعہ کے مردودہ اعتراضات کے جوابات میں اپنا اور اپنے ناظرین کرام کا وقت عزیز ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ یہ کہاں کی دیانت داری ہے کہ جس بودے اعتراض کا مدلل و مکمل جواب باصواب اہل حق ایک مرتبہ نہیں بیسیوں مرتبہ دے چکے ہیں۔ پھر اسی مردودہ اعتراض کا اعادہ کیا جائے۔ اگر معترضین میں کچھ سکت ہے تو ان جوابات کے جواب الجواب پر قلم فرسائی کریں۔ اگر گیلانی صاحب واقعاً تلاش حق میں سرگرداں ہیں جیسا کہ انہوں نے ظاہر کیا ہے (آئینہ ص۳ برحاشیہ) تو ہم انہیں مخلصانہ مشورہ دیں گے۔ کہ وہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں جو خاص اسی مسئلہ پر لکھی گئی ہیں۔ (کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم، مؤلفہ ظہیر العلماء و الحکماء حضرت مولانا علی اظہر صاحب کھجوی مرحوم سابق مدیر رسالہ اصلاح ۔ ۲۔ السر المختوم فی مسئلہ عقد ام کلثوم مؤلفہ مولوی محمد صالح الحنفی مطبوعہ البرہان پریس لودھیانہ۔ اور شرح کنز مکتوم مؤلفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب مطبوعہ یوسفی دہلی وغیرہا)

ان کتب میں اس افسانہ کی اس طرح دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ کہ مدت سے یہ کتب لاجواب پڑی ہیں۔ مخالفین کو آج تک قلم اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اور اس مفروضہ کا کچھ اس انداز سے تار و پود بکھیر اگیا ہے کہ ہر ناظر منصف عش عش کر اٹھتا ہے۔ ہاں محض اس خیال سے

پیش نظر کہ یہ مسئلہ یہاں بالکل تشنہ نہ رہ جائے اس کے متعلق فقط ایک حقیقت عرض کر کے اہل عقل و انصاف سے عدل و انصاف کا واسطہ دے کر انصاف کا تقاضا کرتے ہیں۔ دیوبند! مشکوٰۃ شریف طبع بمبئی ص ۵۵۷ پر مذکور ہے۔ کہ جب مسلمانوں کے خلیفہ اوّل و دوم نے سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کی منگنی کی۔ تو آنحضرتؐ نے ان کی استدعا کو یہ فرما کر کہ "انھا صغیرۃ" جناب سیدہ چھوٹی بچی ہے۔ تم سے شادی کے قابل نہیں" مسترد کر دیا۔ تو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان یہ باور کر سکتا ہے۔ کہ وہ ام کلثوم جس کی والدہ ماجدہ بوجہ صغر سنی جس شخص کے حبالۂ عقد میں نہیں آ سکتی وہی شخص اک وقت اسی عورت کی لڑکی (اور وہ بھی اس کی اولاد میں۔ ہے سب۔ سے چھوٹی) سے شادی رچا رہا ہے

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اہل سنت کو عقل و دانش سے کام لیکر اس ترقی دور میں ایسے بے سرو پا اور بے حقیقت مسائل بیان کرنے سے اجتناب و احتراز کرنا چاہیے کہیں انہیں یہ نہ کہنا پڑے۔

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

بہر حال ہم تو صرف اتنا عرض کریں گے۔

ع چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

اعتراض سوم و چہارم۔ حضرت علی نے اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا۔ حضرت امام زین العابدین نے اپنے لڑکے کا نام عمر رکھا۔

(دیکھو کتاب اصول کافی ص ۲۱۵ طبع نولکشور)

الجواب:- یہ اعتراض بچند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔
اولاً۔ تو یہ واقعہ کتاب مذکور کے نشاندادہ صفحات پر ہمیں مل نہیں سکا لہٰذا سرے سے سوال ہی درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اور ثانیاً بنا بر صحت واقعہ اس سے "محبتِ ثلاثہ" کس طرح ثابت ہوتی ہے کیونکہ اسم تو مسمیٰ کے لئے ایک امتیازی علامت ہوتی ہے جو ہر اسم سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جب تک وہ اسم مشترکا نہ ہو۔ حضرت علی یا ان کے شیعوں کو اصحابِ ثلاثہ کے اسماء سے ہرگز کوئی کد نہیں۔ اگر انہیں کوئی اختلاف ہے تو ان کے افعال اور مسمیات سے ہے۔ ایسی اسماء کا کیا قصور ہے کہ ان کے ناموں پہ نام نہ رکھے جائیں۔ یہ ہمارے علاقہ اور وہ بھی ہمارے تنگ نظر ملاؤں کی بےخوبیت ہے۔ کہ جس سے انہیں کچھ مخاصمت وعداوت ہوتی ہے اس کا نام لینا اور سننا گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے ناموں پر نام رکھتے ہیں۔ لیکن ذواتِ قدسی صفات دامن عفت ایسی بے جا تعصبیوں اور تنگ نظریوں سے منزہ و مبرا ہے

ع۔ فعل پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

اگر۔۔ یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے کہ جس کے نام کے مطابق نام رکھا جائے اس سے محبت ہی ظاہر ہوتی ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ بر آمد نہیں ہو گا کہ اہلسنت چونکہ اپنے نام عبد الرحمٰن۔ عمر اور یزید وغیرہ رکھتے ہیں اس لئے انہیں قاتلان حضرت امیر المومنین اور حضرت سید الشہدا سے محبت و عقیدت ہے کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام کے قاتل کا نام عبد الرحمٰن بن ملجم اور حضرت سید الشہدا کے قاتلین میں یزید اور عمر بن سعد شامل ہیں ثالثاً چند لمحات کے لئے اگر یہ قاعدہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ جس

کے نام پر نام رکھا جائے اس سے نام رکھنے والے کی اس شخص سے محبت و عقیدت مترشح ہوتی ہے تو بھی اس سے استنتاج کرنا کہ چونکہ حضرت علی یا حضرت امام زین العابدین نے اپنی اولاد کے نام عمر عثمان رکھے ہیں لہٰذا ان کو شیخین سے محبت و عقیدت واقعی یہ نتیجہ کسی طرح بھی درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گیلانی صاحب کی خوش فہمی ہے۔ یہ نظریہ اس وقت صحیح ہوتا جب کہ اس نام رکھنے سے پیشتر یہ نام سوائے شیخین کے اور کسی بزرگ کے نہ ہوتے اور جب کہ یہ اسماء حضرت امیر المومنین کے خاص اصحاب باصفا کے موجود ہیں جیسے عمرو بن حمق خزاعی اور عثمان بن حنیف تو کیوں نہ یہ کہا جائے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے یا دیگر آئمہ اطہار نے اگر اپنی اولاد کے یہ نام رکھے ہیں تو وہ ان اصحاب باوفا کی محبت میں رکھے ہیں۔ اس پہلے نتیجہ کو اس نتیجہ پر کیا ترجیح ہے پس بمطابق اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ یہ بودہ استدلال جو کہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کا مصداق ہے، بالکل ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ حضرت امیر المومنین ثلاثہ کو جو کچھ سمجھتے تھے۔ اس سے کتب فریقین مملو و مشحون ہیں۔ اگر فرصت نہ ہو تو نہج البلاغہ کا خطبۂ شقشقیہ اور مہج الدعوات کی دعائے صنمی قریش اور صحیح مسلم میں اپنے خلیفۂ ثانی صاحب کا اپنا اقرار ان کی ہی زبانی ملاحظہ کر لیں اور پھر خود ہی اندازہ لگائیں کہ ان تصریحات و توضیحات کے بالمقابل ان کے باہمی شیر و شکر ثابت کرنے کے سلسلہ میں ایسے بے جان استدلالوں کی حقیقت کیا باقی رہ جاتی ہے؟

مع اگر اب بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

اعتراض پنجم (۴۰):- "خنزیر (سور) کے چمڑے کا جو ڈول بنا ہوا ہو اس سے جو پانی نکالا
جائے وہ پاک ہے۔ دیکھو کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵ فروع کافی ج ۱
مطبع نولکشور اور نیز کتاب فروع کافی جلد اول ص ۲ مطبع نولکشور میں لکھا
ہے کہ خنزیر کے بالوں کی رسی سے جو پانی کنویں سے نکالا جائے پاک ہے۔
اس سے وضو کرنا جائز ہے۔" (آئینہ ص ۳۱۲)

الجواب:- آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات وفرامین
اور فرقہ حقہ کے علمائے محققین، متقدمین ومتاخرین کے فتاویٰ وبراہین
اس امر پر متفق ہیں کہ کافر، کتا اور خنزیر کا جس طرح گوشت نجس اور حرام
ہے اسی طرح ان کا پوست بلکہ وہ اجزاء بھی جنہیں زندگی نہیں ہوتی جیسے
بال اور ہڈی نجس اور حرام ہیں جن امور میں طہارت شرط ہے ان میں ان
کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہے جیسا کہ ہمارے تمام کتب احادیث وفقہ ہمارے
دعویٰ پر شاہد عادل موجود ہیں۔

ع میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

باقی رہیں یہ دو روایتیں جنہیں گیلانی صاحب نے بڑے طمطراق سے پیش فرمایا
ہے تو پہلی روایت کے متعلق گذارش ہے کہ گیلانی صاحب نے اس کے
ترجمہ میں بوجہ جہالت یا تجاہل تحریف قبیح کا ارتکاب کیا ہے۔ روایت کے
اصل الفاظ یہ ہیں "سئل الصادق علیہ السلام عن جلد الخنزیر
یجعل دلوا یستقی بہ الماء فقال لا بأس"۔ حضرت صادق علیہ السلام
سے جلد خنزیر کے ڈول کی بابت سوال کیا گیا کہ آیا اس سے پانی کھینچنا
جائز ہے آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں" اہل انصاف فرمائیں کہ ان
الفاظ میں سے یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے "وہ پاک ہے" یہ گیلانی صاحب

کا خود ساختہ جملہ ہے۔ یہ حدیث اس قدر مجمل ہے کہ اس میں اس امر کی ہرگز کوئی تصریح موجود نہیں کہ وہ پانی کس غرض کے لئے کھینچا جائے۔ آیا پینے کے لئے یا وضو وغسل کے لئے۔ یا حیوانات کو سیراب کرنے کے لئے یا زمین و باغات کو سینچنے کے لئے تو جب یہ سب احتمالات ممکن ہیں تو اس مجمل حدیث سے کیونکر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ عین ممکن ہے بلکہ یہی متیقن ہے کہ یہ سوال ہی اس پانی سے زمین وغیرہ کو سینچنے کے بارہ میں ہو۔ کیونکہ عربوں کا دستور یہی تھا کہ وہ ڈولوں سے ہی زمین وغیرہ سینچتے تھے۔ کما لا یخفیٰ۔ بہرکیف جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ اس پانی کا پینا جائز یا اس سے طہارت جائز ہے اس وقت تک اس حدیث سے تمسک کرکے اسے ہمارے خلاف پیش کرنا سوائے حماقت اور بے وقوفی کے اور کچھ نہیں۔

باقی رہی دوسری حدیث جس میں بالوں کی رسی سے پانی نکالنے کا ذکر ہے اس میں اگرچہ وضو کرنے کی تصریح موجود ہے لیکن اس میں یہ کہاں مذکور ہے کہ وہ رسی پانی سے مس بھی ہوتی ہو۔ چونکہ رسی عموماً ڈول کے بالائی حصہ سے باندھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ وہ پانی کے ساتھ لگی بھی نہ ہو۔ ایسا ہی سرکار علامہ حلی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مختلف میں افادہ فرمایا ہے۔

" لیکن جملہ علی علامہ ملاقات الحبیل الماء " میں جب یہ قوی احتمال موجود ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ بال پاک اور وہ پانی بھی پاک ہے جس میں سور کے بال پڑے ہوں؟؟ یہ ان حضرات کی بھول بھلیاں ہیں انہیں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر گیلانی صاحب یا ان کے کسی ہمنوا میں ہمت و طاقت ہے تو وہ ہماری

کسی مستند کتاب سے خنزیر کے چمڑے یا اس کے بالوں کے پاک ہونے کی کوئی تصریح دکھائیں۔ ان بھول بھلیوں سے کچھ نہیں بنتا۔

؎ نگفتہ ندارد کسے با تو کار ـــــ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

تعجب تو ان لوگوں سے ہے کہ جن کے ہاں کتے اور سور کے بال اور ہڈیاں پاک نہیں۔ اور ان کی بیع و شرا جائز ہے وہ دوسروں پر کس منہ سے ایسے رکیک اعتراض کرتے ہیں جن کی رکاکت محتاج بیان نہیں۔ اگر شک ہو تو ذرا ہدایہ ج ۳ ص ۵۸ مطبوعہ اصح المطابع لکھنو ملاحظہ ہو۔ لس وقع فی الماء القلیل افسدہ عند ابی یوسف وعند محمد لا یفسدہ لان اطلاق الانتفاع دلیل طہارۃ۔ اگر آپ تھلیل میں سور کے بال گر جائیں تو ابویوسف کے نزدیک پانی فاسد (نجس) ہو جاتا ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک فاسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان بالوں سے علی الاطلاق انتفاع و استفادہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاک ہیں۔ مردار اور خنزیر کی ہڈی پاک ہے (کنوز الدقائق وحید الزمان ص ۱۳۱) ولا باس ببیع عظام المیتۃ وعصبہا وصوفہا وقرنہا وشعرہا ووبرہا والانتفاع بذالک کلہ۔ مردار کی ہڈیاں اور اس کی چربی اور اس کی صوف اور سینگ اور بال کے بیچنے اور اس سے استفادہ و انتفاع حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۵۸ اصح المطابع لکھنو)

لیجئے گیلانی صاحب اب تو آپ کو بہت آسانی ہو گئی۔ نہ گرم کپڑوں کی قلت رہے گی اور نہ گھی کی مہنگائی کی شکایت۔ اگر گرم کوٹ اور شیرزانی وغیرہ کی ضرورت ہو تو سور کے بالوں میں بکثرت

موجود ہیں۔ اور اگر بازار میں گھی گراں ہو (بلکہ اگرچہ ارزاں بھی ہو) تو قیمت ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مردار تو بالعموم ہر جگہ پڑے ہوئے مل جاتے ہیں۔ ان کی چربی نکال لیتے اور ہانڈی پکا کر مزے اڑا لیتے۔ کہہ کبھی کبھی

ع۔ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اور سنئے یہی نہیں کہ اہلسنت کے ہاں خنزیر کے بال اور ہڈیاں ہی پاک ہیں بلکہ یہ تو کچھ ایسا پاک مذہب ہے کہ اس میں ہر ناپاک چیز پاک ہے

ع۔ ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد

ان کے ہاں تو خود کتا اور خنزیر پاک ہیں۔ چنانچہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج اوّل ص۱۶ مطبوعہ مصر پر مرقوم ہے۔ المالکیۃ قالوا کل حی طاهر الجسم ولو کلبا او خنزیرا۔ یعنی مالکی (جو کہ اہلسنت کا ہی ایک گروہ ہے) کہتے ہیں کہ ہر زندہ حیوان اگرچہ کتا اور خنزیر ہی کیوں نہ ہو طاہر الجسم ہے (اس کا جسم پاک وصاف ہے) اسی وجہ سے ہی تو بخاری شریف ج ۱ ص۲۹ بحاشیہ مولوی احمد علی سہارنپوری مطبوعہ مجتبائی دہلی پر مرقوم ہے۔ "اذا ولغ الکلب فی اناء لیس له وضوء غیرہ یتوضا بہ" جب کتا پانی لگ جائے اور دیگر آب نہ ہو تو (تیمم کی بجائے) اسی پانی سے وضو جائز ہے۔ کہاں ہیں خنزیر کے بالوں سے کھینچے ہوئے پانی سے وضو کرنے پر اعتراض کرنے والے کہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے تو نہیں کہہ رہے۔

ع۔ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اب تو آپ کے مذہب میں کتا و خنزیر ہی پاک ہیں اور ان کے جھوٹے

پانی سے وضو بھی جائز ہو رہا ہے۔ حیا ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جاؤ۔ لیکن حیا تو ایمان کے ساتھ ہے اور جب ایمان کا نام و نشان ہی نہیں تو وہاں حیا کا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔

ع الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جب خنزیر و کتا پاک ہیں۔ ان کے اجزا سے انتفاع جائز بیع وغیرہ جائز تو اب تو ایسا طلب امر ہے کہ کسی بچے شیوخ عظام نے بھی ان سے کوئی استفادہ و انتفاع کیا تھا۔ بینوا توجروا

اعتراض ششم :- "گوشت خنزیر (سور) اور مردار کھانے سے کوئی حدِ شرعی نہیں لگتی۔ (فروع کافی جلد سوم ص۱۴۳)"

الجواب :- کس قدر ستم ظریفی ہے کہ جن کے ہاں کلب و خنزیر پاک اور ان کے اجزاء سے انتفاع جائز ہے۔ وہ ایسے رکیک اعتراض کرتے ہیں!

* اچھا حضور یہ تسلیم کہ کلب و خنزیر کا گوشت کھانے پر مذہب شیعہ میں کوئی حدِ شرعی نہیں لگتی؟ ذرا تکلیف فرما کر اہلسنت کی کسی کتاب سے نکال کر ہمیں دکھا دیں کہ ان کے ہاں سور کا گوشت کھانے پر کیا حدِ شرعی لگتی ہے؟؟ اگر آپ یہ کام انجام دے دیں تو ہم آپ کی اور آپ کے شیخ صاحب کی صداقت تسلیم کر لیں گے اور اگر نہ دکھا سکیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ بھی مفتری و کذاب اور آپ کے شیخ بھی کذاب و وضاع۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

نیز جب آپ اپنی کتب سے اس کی حدِ شرعی نہ دکھا سکیں اور یقیناً نہیں دکھا سکتے تو ہم آپ کی طرح یہ استنتاج نکالنے میں حق بجانب

ہوں گے کہ جب شرع ہی نہیں تو پھر حد کیسی؟ پھر اہلسنت حضرات کو گوشت سور کھانے میں کیا عذر ہو سکتا ہے"۔ یہ ہے اک بے لگام کی بے لگامی کا نتیجہ جو سارے اہلسنت کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

ع چو از قومے یکے بے دانشی کرد　　نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہہ را

گیلانی صاحب بات صرف اس قدر ہے کہ مذہب حنفیہ میں کلب خنزیر خوری یقیناً حرام ہے (بلکہ حضرات اہل سنت بھی اس میں ہمارے ساتھ شریک ہیں) ہاں اس حرام کے ارتکاب پر حد نہیں جاری ہوتی بلکہ شرعی تعزیر لگتی ہے۔ اب اگر آپ حد و تعزیر کا باہمی فرق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم آپ کی ذہانت و فطانت کے پیش نظر آپ سے یہ سوال بھی دریافت کریں گے کہ۔

"عقل بڑی ہے یا بھینس"

اعتراض ہفتم:۔ "عورت کی دبر سے صحبت کرنی جائز ہے۔ فقط یہ شرط ہے کہ عورت بھی رضامند ہو جائے۔ دیکھو کتاب استبصار جزو ثالث صفحہ ۱۲ مطبع جعفری۔ ایسا ہی کتاب فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۲۴۳ مطبع نولکشور میں درج ہے کہ عورت کی دبر سے صحبت کرنی جائز ہے"! (آئینہ صفحہ ۷) آگے لکھا ہے:" غالباً اسی وجہ سے شیعہ حضرات غلام کو مباح اور جائز سمجھتے ہوں گے۔ نعوذ باللہ۔ کیا بارہ اماموں میں سے کسی امام نے اس مسئلہ شرعی پر عمل کیا ہے" (الی آخر الطعن یا نافت صفحہ ۷)

الجواب:۔ ع　نالۂ بلبل شنیدا تو سنا ہنس ہنس کر
　　اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

استبصار جلد مذکور مطبوعہ مطبع جعفری ہمارے پیش نظر ہے اس میں نشاندہ

صفحہ پر اس مسئلہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس پورے صفحہ میں حق مہر کا تذکرہ موجود ہے۔ اسی طرح فروع کافی کی کل تین جلدیں ہیں۔ لہٰذا پانچویں جلد میں اس مسئلے کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ بلکہ اس کے بالعکس، فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ مطبع نولکشور پر یہ مذکور ہے کہ امام عالیمقام سے سوال کیا گیا۔ عن ، یتان النساء فی اعجازھن کہ عورتوں کی دبر میں وطی کرنا جائز ہے؟ فرمایا [illegible]۔ وہ تمہارا کھلونا ہے اسے اذیت مت دو۔ اور حبیب راوی نے پلٹ کر امام علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ یہ کام کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا انا لا نفعل ذالک۔ ہم یہ کام نہیں کرتے۔ (فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ طبع نولکشور)

پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ وطی فی الدبر نہ آئمہ اطہار علیہم السلام نے کی ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔ لیکن اخبار و آثار سے پتہ چلتا ہے کہ گیلانی صاحب کے پیران پارسا کو یہ مشغلہ بہت ہی عزیز تھا۔ اور بوقت مشکل تیل سے مشکل کشائی کرا لیتے تھے۔

چنانچہ آپ کے امام جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در منثور جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ پر نقل کرتے ہیں کہ جاء عمر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ھلکت قال وما اھلکک قال حولت رحلی اللیلۃ فلم یرد علیہ شیئا فاوحی اللہ الی رسولہ ھذہ الآیۃ نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم

ایک مرتبہ جناب حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا میں نے رات اپنی سواری کو اوندھا کر دیا (وطی فی الدبر کی) آنحضرت خاموش

ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ تب خداوندِ عالم نے اپنے رسول پر یہ آیت
بھیجی کہ "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو
آؤ۔" جب اجازت نہ تھی تو وہ یہ حرکت کر گذرے۔ تو عجب بزعم
اس امر کی اجازت مل گئی تو اب تو نہ معلوم وہ ہر شب اپنی ازواج
پر کیا غضب ڈھاتے ہوں گے۔"

اسی گھر کی تربیت اور تعلیم کا اثر تھا کہ عبداللہ عمر بھی اس فعل کے جواز کا فتویٰ
دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تفسیر درِ منثور جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ پر اسی آیت کی تفسیر ابن
سے یوں مروی ہے۔ "قال ان شاء فی قبلها وان شاء فی دبرها"
(یہ مرد کی مرضی پر منحصر ہے (عورت کی رضامندی بھی ضروری نہیں) وہ
اگر چاہے تو فرج میں کرے اور اگر چاہے تو دبر میں کرے۔ عبداللہ کا یہ
فتویٰ قابلِ شک و شبہ نہیں کیوں کہ علامہ ابنِ عبدالبر نے کہا ہے
الروایۃ عن ابن عمر بھذا المعنی صحیحۃ معروفۃ عنہ
(درِ منثور ج ۱ ص ۲۶۶) اسی سنت کے تحت علمائے اہلسنت کو یہ
فعل کچھ ایسا پسند آیا کہ مدت العمر اسے ترک نہیں کیا چنانچہ جوزجانی
سے منقول ہے کہ انہوں نے مالک بن انس اہلسنت کے چوتھے امام
سے پوچھا۔ عن وطی الحلائل فی الدبر کہ بیوی کے ساتھ وطی
فی الدبر جائز ہے۔ امام مالک نے فرمایا۔ الساعۃ غسلت
راسی منہ۔ میں نے ابھی ابھی اس فعل سے فراغت کے بعد سر دھویا
ہے۔ (تفسیر درِ منثور جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) اسی طرح اسی صفحہ پر امام شافعی
کا فتویٰ بھی رائج بجواز مروی ہے۔

جس مذہب کے امام و پیشوا ہی ایسے شہوت ران اور ہوس پر

ہوں۔ آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم۔

بار بار!

ع ثبت کریں آ کے وہ خدائی کی   نشان بنے تیری کبریائی کی

ابن ابی ملیکہ نے تو حد ہی کر دی۔ انہ سئل عن اتیان المرأۃ فی دبرھا فقال ھذا اردتہ من جاریۃ لی البارحۃ فاعتاصت علی فاستعنت بدھن" ان سے پوچھا گیا۔ کہ وطی فی الدبر جائز ہے۔ کہا کیا پوچھتے ہو۔ میں نے گذشتہ رات اپنی لونڈی سے کرنا چاہی اور جب (بسبب تنگیٔ مقام یعنی اندام) معاملہ سخت ہو گیا تو میں نے تیل سے اعانت حاصل کی (ملخص یہی ہے) (تفسیر در منثور جلد ۱ صفحہ ۲۶۱)

آفرین! ع ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے۔

اب آپ کی عورتوں کو اختیار ہے کہ ان آئمہ اطہار کا مذہب اختیار کریں جنہوں نے اگر حفظ ناموس کے پیش نظر اس غیر فطری فعل کی ممانعت فرما دی ہے یا ان ... آئمہ کے مذہب پر باقی رہیں جنہوں نے فقط قولی طور پر ہی اس فعل شنیع کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ یہ فعل تیل سے کر کے بھی اس کے حلال و طیب ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دیا ہے

متی تصلح الدنیا ویصلح اہلہا

ع اذا قاضی قضاۃ المسلمین یلوط

کہو گیلانی صاحب نیند تو نہیں آ رہی۔ اب سمجھے ہیں کھوج انداز رنگ بادانش کا مطلب یا ابھی سمجھ میں نہیں آیا؟

ع تمہاری یہ ہٹ ہے کہ سنتے نہیں کسی کی بات
ہمیں یہ ضد ہے سنائیں گے ہم بات اپنی

صاحب فتاویٰ برہنہ نے تو گیلانی صاحب کا رہا سہا وقار بھی بالکل ختم کر دیا ہے۔

وہ اپنے فتاویٰ برہنہ جلد ۲ صد ۱۲۴ طبع نولکشور لکھنو پر مکروہات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وادخال ذکرہ دار دھن زن ویقتو صہ منہ فی السنۃ کرہ" یعنی منجملہ مکروہات یہ بھی ہے کہ عورت کے منہ میں ذکر داخل کیا ہے اور دوسرے قبل کے مطابق (حرام تو بجائے خود) مکروہ بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب "تذکرہ" میں موجود ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع لبسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہم تمام دنیا کے عیش پرستوں اور شہوت رانی مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اگر اپنی ہوس پرستیوں کا جواز تلاش کرنا چاہتے ہوں تو وہ فوراً گیلانی صاحب کا مذہب قبول کریں۔ بلکہ ہم تو ان غیر مسلمانوں سے بھی التماس کریں گے کہ جو اسلام کی حقانیت و صداقت کے پیش نظر مسلمان تو ہونا چاہتے ہیں لیکن اسلام کی کڑی پابندیوں سے جی چراتے ہیں وہ فرصت اولیٰ میں گیلانی صاحب والے مذہب پر مسلمان ہوجائیں۔ اسی طرح ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ ہوگا۔ مسلمان کے مسلمان رہیں گے اور شہوت رانی کے شہوت ران اور ان کے اسلام میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا

ع صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

گیلانی صاحب نے جو ہمیں اغلام و لواطت کے جواز کا طعنہ دیا ہے اس آئینہ میں بھی انہیں اپنے مذہب کی تصویر نظر آتی ہے ورنہ وہ اس امر کا کوئی ثبوت ضرور دیتے۔ بہرحال یہ بہتان عظیم ہے۔ اور ہم اس کے متعلق سوائے آیت معلومہ و لعنۃ اللہ

عمل الکافر مبین کی تلاوت کے اور کچھ نہیں کہتے۔ ہمارے ہاں تو ایسے
فعل شنیع و قبیح کی حرمت اتنی مغلظ ہے کہ زنا سے بھی افزوں ہے جیسا
کہ اس کی شرعی حد کے ملاحظہ سے واضح ہے جو کہ تین امور میں سے ایک ہے
یا تلوار سے قتل کیا جائے یا اسے زیر دیوار کھڑا کر کے اس پر دیوار گرائی جائے
یا بلند پہاڑ سے گرا کر اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے (فروع کافی)
ہاں گیلانی صاحب کے مذہب میں البتہ ہر جواز کے دلائل پائے جاتے
ہیں چنانچہ کتاب فتاوی برہنہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ پر مرقوم ہے "اما اگر غلام خود
را خود یا منکوحہ خود لواطت کند باتفاق حد نیست" یعنی اگر کوئی
مالک اپنے نوکر یا اپنی لونڈی یا اپنی منکوحہ سے اغلام بازی و لواطت کرے
تو باتفاق مذہب گیلانی اس پر کوئی حد شرعی نہیں ہے۔ اور قاضی
خان ج ۴ صفحہ ۸۲۶ پر بجائے لونڈی کے اجنبیہ لکھا ہے یعنی اگر اجنبی
عورت کی دبر زنی کرے تو بھی کوئی حد نہیں ہے اور فتاوی سراجیہ
صفحہ ۶۰ طبع نولکشور پر مرقوم ہے اذا زنی بمیتہ او تلوط ووطی البہیمۃ لم
"جب کسی مردہ عورت سے زنا کرے یا کسی لڑکے کے ساتھ لواطت
کرے یا جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرے تو ان سب صورتوں میں اس
پر کوئی شرعی حد نہیں ہے۔ سن لیجئے حضرت جادو وہ جو سر چڑھ
کر بولے۔

ع۔ بس جی بس معلوم شد بافندگی بافندگی

آپ کے مالداروں کو تو چھٹی ہے کہ وہ اپنے نوکروں سے لواطت
کر کے گلچھرے اڑائیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے شہوت راں فقہا کا ضرور
ممنون احسان ہونا چاہئیے جنہوں نے ان کے لئے اسقدر سہولت

مہیا کر رہے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

اعتراض ہشتم: وہ عورت جس کی دبر زنی کی جائے اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ اگرچہ مرد دبر کو انزال بھی ہو جائے۔
(دیکھو فروع کافی جلد اول ص۴۷ مطبع نولکشور)

الجواب: اس اعتراض میں گیلانی صاحب پھر وطی فی الدبر کو درمیان میں لائے ہیں جس کے متعلق اوپر بہت کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ گیلانی صاحب نے ترجمۂ روایت میں تحریف کی ہے۔ روایت میں ہرگز "دبر" کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس میں فیما دون الفرج "فرج کے علاوہ اور کسی مقام پر مقاربت کرنے کا تذکرہ ہے جو کہ فقط دبر میں منحصر نہیں ہے بلکہ اور مقام بھی ہیں کما لا یخفیٰ۔ نہ معلوم کیا بات ہے۔ جب بھی فرج کے علاوہ کسی اور مقام کا تذکرہ ہو گیلانی صاحب .... کا تبادرِ ذہنی دبر ہی کی طرف ہوتا ہے۔ باقی رہا عورت پر غسل واجب نہ ہونے کا مسئلہ تو اس کی وجہ واضح ہے کیونکہ جب تک اس کو انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہوتا۔ (ہذا فی غیر المغرقۃ) لیکن یہ بھی فقط ہمی نہیں بلکہ اس سے بالاتر آپ کے مذہب میں موجود ہے۔ آیئے ہم نشاندہی کرا دیتے ہیں۔ اذا اتی الرجل امراتہ وہی عذراء او جامعها فیما دون الفرج لا غسل علیہ ما لم ینزل۔ ولا غسل علی المراۃ ایضاً ما لم تنزل۔ جب کوئی مرد اپنی زوجہ سے ہمبستری کرے اور وہ کنواری ہو (یہ حکم ہمارے مذہب میں اس طرح نہیں ہے) یا فرج کے علاوہ کسی اور مقام پر (بقول گیلانی صاحب دبر میں) مقاربت کرے تو جب تک اسے انزال نہ ہو اس پر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح جب تک عورت کو

انزال نہ ہو اس پر بھی غسل واجب نہیں ہوتا (فتاویٰ قاضی خان جلد اول صفحہ ۲۱)
پس معلوم ہوا کہ صورت مرقومہ میں عورت کے غسل کے لئے مرد کا انزال یا عدم انزال
معیار نہیں ہے۔ بلکہ خود عورت کا انزال معیار ہے اور سنئیے "لو جومعت
المرآتیہ فیما دون الفرج ووصل المنی الی رحمھا وھی بکر
او ثیبۃ لا غسل علیھا" اگر فرج کے علاوہ کسی اور مقام (غالباً گیلانی
دبر میں) مجامعت کی جائے اور منی رحم تک پہنچ جائے (اس کے سمجھنے
سے ہم قاصر ہیں مگر یہ کہ قبل و دبر ایک ہو جائے) تو ایسی صورت عورت
خواہ کنواری ہو اور خواہ شوہر دار اس پر غسل واجب نہیں ہے
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ صفحہ ۲۱)

کیا باریک اور گہرے مسئلے ہیں ان کی تہ تک گیلانی صاحب ہی پہنچ سکتے ہیں
جو اس سوال کا بھی جواب دے سکتے ہیں کہ عقل بڑی ہے یا بھینس۔ گیلانی
صاحب کے پاکیزہ مذہب میں تو یہاں تک روا ہے کہ الایلاج
فی البھائم لا یوجب الغسل ما لم ینزل۔ حیوانات کی فرج
میں اگر ذکر داخل کیا جائے تو جب تک انزال نہ ہو غسل واجب
نہیں ہوتا۔ (قاضی خان جلد اول صفحہ ۲۱) اسی قاضی خان جلد ۴ صفحہ ۹۲۸
پر اسی مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق لکھا ہے "ولا کفارۃ علیہ ان
کان صائماً فی شھر رمضان"۔ اگر ماہ رمضان میں بحالت روزہ
حیوانات کے ساتھ اس طرح بدفعلی کرے تو اس پر کفارہ عائد نہیں ہوتا۔
استغفر اللہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ۔ پھر لکھا ہے۔
"والایلاج فی المیتۃ بمنزلۃ البھائم" کہ مردہ کی شرمگاہ میں
ذکر داخل کرنے کا وہی حکم ہے جو حیوانات کے ساتھ بدفعلی کا ہے۔

فتاوی قاضی خان جلد اول ص۲۲ لیجئے گیلانی صاحب! اب تو بڑی آزادی ہے۔ بے شک
ص ۱۱ بحالت روزہ اگر انسان نہ ملیں۔ تو حیوانات اور اگر وہ بھی میسر نہ ہوں۔
تو اپنے اموات کے ساتھ مقاربت کر کے اپنے جذبۂ شہوت کی تسکین کر لو تو کفارہ
بھی ندارد اور غسل بھی ندارد۔ ع مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو۔

کس قدر شرم کا مقام ہے کہ گیلانی صاحب کے اپنے گھر کا یہ عالم ہے۔ اور
اعتراض دوسروں پر کرتے پھرتے ہیں ؎

اُلٹے ہی شکوے کرتے ہو اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

گیلانی صاحب! ع پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لو۔ دانشمندی
یہ ہے کہ دوسروں پر زبان اعتراض دراز کرنے سے پیشتر ایک سرسری نگاہ اپنے
کارخانہ پر بھی کر لو ع

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعد سیمیں خود را رنجہ کرد

اعتراض نمبر۔ اگر زوجہ منکوحہ کی بھانجی یا بھتیجی سے متعہ یا نکاح کرے۔ تو
اجازت زوجہ مذکور کی درکار ہے (دیکھو کتاب تحفۃ العوام ص۲۷۲ مطبع نولکشور
آئینہ ص۵۲)

الجواب۔ ہاں ہمارے ہاں یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ اور اس میں اعتراض کی کوئی بات
ہی نہیں معلوم گیلانی صاحب کو کیا سوجھی کہ اسے بھی اعتراضات کے ضمن
میں جڑ دیا ہے۔ یہ مسئلہ تعلیمات قرآن و اسلام کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید
میں قدرت نے بالتفصیل محرمات کا شمار کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ
وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ لا وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ط (سورہ نساء) (تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔ اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں۔ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔ اور تمہاری ساسیں اور تمہاری ربیبہ بیٹیاں جو تمہاری اُن ازدواج کی گود میں ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو۔ پھر اگر تم نے اُن سے صحبت نہ کی ہو۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تمہارے اُن بیٹوں کی ازواج جو تمہاری صلب سے ہوں۔ (یہ سب حرام ہیں) اور یہ بات (بھی حرام کی گئی ہے) کہ ایک وقت میں دو بہنوں کو جمع کر لو۔ سوائے اُس کے جو پہلے ہو چکا ہے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔ اور شوہر دار عورتیں سوائے اُن کے جو تمہاری ملکیت ہو جائیں۔ (یہ حرام ہونا) خدا نے تمہارے ذمے لکھ دیا۔ اور اس کے سوا سب تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ کہ تم اپنے مال خرچ کر کے بحالت پاکدامنی نہ بغرض بدکاری اُن کی خواستگاری کرو۔

ملاحظہ فرمایا کہ محرمات کا بیان کرنے کے بعد مزید وضاحت فرماتے ہوئے احل لکم ما وراء ذالکم۔ کہ ان مذکورہ بالا عورتوں کے علاوہ باقی، سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اب گیلانی صاحب بتلائیں کہ اپنی منکوحہ کیساتھ اسکی بھانجی یا بھتیجی کو جمع کی حرمت کا تذکرہ ان محرمات میں موجود ہے یا نہ؟ یقین ہے کہ جواب نفی میں ہوگا کیونکہ موجود قرآن ہی تو ان کی حرمت

کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہاں اگر ام المومنین عائشہ کے اس قرآن میں ہو جسے بکری
کھا گئی تھی۔ تو اس کی خبر ہمیں نہیں ہے (سنن ابی داؤد و حیوٰۃ الحیوان) اور جب
ازدواج کا شمار محللات میں ہے تو گیلانی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو کیا حق پہنچتا
ہے کہ وہ اسے حرام قرار دیں۔ لیکن یہ حضرات کسی حد تک معذور ہیں کیونکہ انہیں
اپنے پیشواؤں سے یہ چیز ورثہ میں ملی ہے اس لئے کہ وہ برسر منبر کہا کرتے تھے
متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ وانا احرمہما (دو متعے آنحضرت
کے عہد میں جائز و حلال تھے اور میں انہیں حرام قرار دے رہا ہوں) (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۸۹)
ہاں قرآن کے عمومات کو اخبار معتبرہ سے تخصیص دی جا سکتی ہے لیکن اس متنازعہ
مسئلہ میں کوئی قطعی السند والدلالت روایت تو موجود ہے نہیں۔ ہاں حضرات
اہل سنت نے محض ایک قیاس بے اساس کی بنا پر ایسے ازدواج کو ناجائز قرار
دے رکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ لو کانت احدھما رجلا لم یجز ان یتزوج بالاخری
(یعنی ایسی دو عورتیں جن میں اگر ایک مرد ہوتا تو اس کی دوسرے کے ساتھ شادی نہ
ہو سکتی۔۔۔ ان کو ایک آدمی کی زوجیت میں بیک وقت رکھنا جائز نہیں ہے
(ہدایہ و قاضی خان و فقہ علی المذاہب الاربعۃ) اور چونکہ یہ قیاس بے اساس
ہے۔ نہ ہم اس کے قائل ہیں اور نہ ہمارے آئمہ اطہار علیہم السلام اس کے قائل
تھے۔ بلکہ وہ تو الٹا گیلانی صاحب کے بزرگان دین کو بھی اس کے استعمال سے
روکتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام ابو حنیفہ
سے فرمایا۔ یا ابا حنیفہ بلغنی انک تقیس فی الدین اے ابو حنیفہ
مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دین میں قیاس کرتے ہو۔ کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ اتق اللہ
ولا تقس۔ اللہ سے ڈرو۔ قیاس نہ کر۔ فان اول من قاس ابلیس
کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان تھا اور جو بھی دین میں قیاس کرے

خدا اسے بروز قیامت شیطان کے ساتھ محشور کرے گا (حیوٰۃ الحیوان دمیری ودستہ الالباب صفحہ ۲۲۴ طبع لاہور)۔ اگر اب بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

اب تعجب ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کے (جس کے متعلق سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اس کی تحریم پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کی تحلیل کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) پر اعتراض کرنے والوں کے ہاں دو بہنوں کے درمیان جمع جائز ہے حالانکہ اس کی حرمت بالتصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ پر مرقوم ہے۔ فان تزوج اخت امتہ رد طھا صح النکاح۔ اگر کسی آدمی کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ اس کی بہن سے نکاح کرے اور اس سے مقاربت بھی کرے تو کوئی حرج نہیں اور نکاح صحیح ہے اہل عقل و ایمان بتلائیں کہ کیا یہ حکم سراسر قرآنی تعلیمات کے مخالف ہے یا نہیں؟ کیا ہم گیلانی صاحب سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں گے یا بقول شاعر یہ معاملہ ہے کہ

ع۔ اگر صد باب حکمت پیشِ ناداں بخوانی آیدش بازیچہ در گوشش

اعتراض دہم:۔ شیعہ مذہب میں سالی اور ساس سے جماع کرنے پر نکاح نہیں ٹوٹتا۔ (دیکھو کتاب فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ مطبع نولکشور)

الجواب:۔ مذہب حقہ میں یہ مسئلہ یوں ہے کہ اگر قبل از عقد کسی عورت (متوقع ہونے والی ساس) سے زنا کیا جائے تو بعد ازاں اس مزنیہ عورت کی لڑکی سے عقد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بعد از عقد اپنی منکوحہ کی ماں سے العیاذ باللہ اس فعل شنیع کا ارتکاب ہو جائے تو اس سے سابقہ نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اس کی وجہ معادن وحی و تنزیل اساتذہ جبرائیل علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ الحرام لا یحرم الحلال کہ فعل حرام سابقہ فعلِ حلال کو حرام نہیں

کرتا جو بالکل مطابق شریعت مقدسہ و موافق عقل سلیم ہے۔ اب آئیے ذرا معترض صاحب کے اندرونِ خانہ کا جائزہ بھی لیتے جائیں۔ ان کے ہاں تو عقد سے پہلے ہی یا بعد اپنی ہونے والی ساس یا موجودہ ساس سے زنا کیا جائے تو بھی اس کی لڑکی سے شادی رچانا جائز ہے

چنانچہ کتاب بدایۃ المجتہد علامہ ابن رشد ج ۲ ص ۳۲ مطبع مصر پر مرقوم ہے۔ قال الشافعی الزنا بالمرأۃ لا یحرم نکاح امہا ولا بنتہا۔ یعنی کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے نہ اس کی ماں حرام ہوتی ہے اور نہ بیٹی ۔۔۔۔۔۔ (اگر ماں سے زنا کرے تو اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی۔ اور لڑکی سے زنا کرنے سے اس کی ماں حرام نہیں ہوتی۔ اسی طرح کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۶۶) پر مرقوم ہے کہ اما الزنا فان المعتمد انہ لا ینشوا الحرمۃ فمن زنی بامرأۃ فان لہ ان یتزوج باصولہا و فروعہا۔ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس سے عورت کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام نہیں ہوتیں۔ بلکہ اسے جائز ہے کہ وہ اس عورت کے اصول (ماں نانی۔ دادی وغیرہ) اور فروع (بیٹی نواسی۔ پوتی وغیرہ) سے شادی کرے۔ اب فرمایئے گیلانی صاحب۔

ع حیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور پھر بھی سفارش کریں گے کہ ضروری ہے کہ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پیشتر ایک اجمالی نگاہ اپنے گھر خانہ پر بھی ڈال لی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ بہرحال اب تو چونکہ آپ نے خود ابتدا کی ہے۔ لہٰذا۔

"شکایتوں کے کھلیں گے دفتر ادھر تمہارے ادھر ہمارے

اور سنئے معترض کے مذہب میں تو اپنی لڑکی سے شادی جائز ہے و یجوز للرجل ان یتزوج بنتہ المخلوقۃ من ماۂ زنا زانی آدمی کو جائز ہے کہ وہ اپنی لڑکی سے شادی کرے جو بلطور زنا خود اس کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع جلد ۴ ص۶۶ مطبوعہ مصر) ناظرین کرام انصاف سے فرمائیں سوائے گیلانی صاحب کے مذہب کے اور کہیں بھی ایسی پاکیزہ تعلیم ملتی ہے؟ (شرم!) اچھا گیلانی صاحب اور آگے بڑھئے۔

ع۔ بڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اعتراض یازدہم :۔ عورت کی شرمگاہ کو چومنا درست اور جائز ہے۔ دیکھو کتاب حلیۃ المتقین ص۸۲ اور فروع کافی جلد دوم ص۲۱۶ مطبع نولکشور (لکھنؤ)

الجواب :۔ اگر ہماری حلیۃ المتقین وغیرہ میں فقط اس فعل کا جواز مذکور ہے تو تمہارے فتویٰ برہنہ جلد دوم ص۱۶ نے تو ایسے افعال کو موجب ثواب قرار دیا ہے چنانچہ وہ مجامعت سے پہلے ملاعبت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں "د باک نیست کہ زن یا مرد فرج دیگرے مالد بلکہ امید ثواب است۔ اگر عورت یا مرد ایک دوسرے کی شرمگاہ کو ملیں (خواہ ہاتھ کے ساتھ خواہ منہ کے ساتھ اور خواہ زبان کے ساتھ اس کی کوئی قید نہیں ہے) تو کوئی حرج نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے"۔ کہو تو گیلانی صاحب آپ کے علماء نے کتنی گندگی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یا ہنوز کچھ کسر باقی ہے؟؟

ع۔ لگے ہو منہ چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجو دہن بگڑا

اعتراض دوازدہم :- اگر اپنے سالے (اپنی بیوی کے بھائی) کی دبر زنی کی جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ دیکھو فروع کافی جلد دوم ص۷۷ مطبع نولکشور

آئینہ ص۵۰

الجواب :- اس مسئلہ کا جواب اعتراض دہم کے جواب باصواب سے معلوم ہو سکتا ہے یہاں بھی وہی قاعدہ و قانون کارفرما ہے کہ اگر قبل از ازدواج کسی لڑکے سے لواطت کی جائے تو لوطی اس لڑکے کی بیٹی یا بہن سے عقد نہیں کر سکتا اور اگر بعد از تزویج یہ فعل شنیع واقع ہو تو اس سے اس کی عورت یعنی لڑکے کی بہن یا ماں اس پر حرام نہیں ہوتی۔ یہ روایت اگرچہ بظاہر مخالف اجماع معلوم ہوتی ہے کہ اگر بعد از عقد بھی اس بدفعلی کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے عورت حرام ہو جاتی ہے لیکن علمائے اعلام نے اسے قبل از عقد پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ شرح کافی میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں "وحمل علی ما اذا کان قبل التزویج وان کان ظاهرا الروایة وقوعه بعده" یہ خبر اس مطلب پر محمول کی گئی ہے کہ یہ بدفعلی قبل از عقد واقع ہو۔ اگرچہ ظاہر روایت بعد از عقد پر دلالت کرتی ہے (مرآۃ العقول جلد ۳ ص۴۷۲) ہمارے گیلانی صاحب کو اس سلسلہ میں یہ اعتراض ہے کہ "کریں داڑھی والے اور پکڑے جائیں مونچھوں والے" اگر اس مثل کا صحیح مصداق دیکھنا ہے تو ذرا کتاب فتاوی قاضی خان جلد ۱ *فیثبت الحرمۃ۔ اگر کوئی انسان اپنی زوجہ کی ماں (ساس) کا بوسہ لے لے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ فرمائیے یہ مسئلہ موجودہ قرآن کی کس آیت سے ماخوذ ہے۔ شاید یہ اس قرآن میں ہو جسے ام المومنین کی بکری ہضم کر گئی تھی۔ (سنن ابو داؤد)

ع۔ مشکل بہت پڑے گی برابری کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے۔

اعتراض بیست و نہم:۔ جو شخص محارم عورتوں (اپنی ماں۔ بہن۔ پھوپھی۔ بھانجی خالہ) سے نکاح کرکے جماع کرے تو اس کو زنا نہیں کہنے لگے۔ من وجہ یہ فعل حلال ہے۔ جو اولاد پیدا ہو اس کو اولاد زنا کہنا جائز نہیں۔ جو ایسے مولود کو ولدالزنا کہے قابلِ سزا ہوگا۔ اور حدِ شرعی اس پر لگ جائے گی۔ دیکھو فروع کافی جلد دوم صـ۲۵۲، آئینہ صـ۶۔)

الجواب:۔ اس کے متعلق چند گذارشات پیش خدمت ہیں۔ اولاً تو یہ آئمہ اطہار علیہم السلام میں سے کسی امام عالی مقام کا کلام معجز نظام نہیں ہے۔ بلکہ یہ یونس ابن عبدالرحمن کا کلام ہے جو مذہب پر بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً یہ کلام اور مسئلہ بالکل صحیح ہے جب کہ اصل حقائق کو پیش نظر رکھا جائے۔ چونکہ مؤلف نے حسبِ عادت قدیمہ۔۔۔ اسے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس لئے بظاہر بڑا بھیانک سا معلوم ہوتا ہے۔ اس عبارت میں تصریح موجود ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خطأً یا تقلید یا تاویل و جہالت کی بناء پر محارم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر بیٹھے تو چونکہ یہ وطی بالشبہہ ہے لہٰذا اگر ایسی صورت میں کوئی اولاد بھی ہو جائے تو وہ حلال زادہ ہوگی۔ اور یہ ازدواج اگرچہ نفس الامر اور واقع کے لحاظ سے غلط اور ناجائز ہے لیکن ظاہری شریعت کی بنا پر اس پر زنا والے احکام مترتب نہیں ہو سکتے کیونکہ زنا میں علم بحرمت اور عمد و اختیار شرط ہے۔ کما اتفقت علیہ کلمات اهل الاسلام۔ فرمائیے اس میں کونسی اعتراض کی بات ہے

نماز تا آپ کہاں البتہ ایسے زنا دے سو جو ہیں کہ اگر کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے
خلاف، اندوز ہو اور یاد جود یکہ یہ جانتا بھی ہو کہ محارم کے ساتھ نکاح حرام اور زنا واجب ہے۔ تو
تب بھی اس پر کوئی شرعی حد جاری نہیں ہو سکتی۔ اگر شک ہو تو ذرا ہدایہ شریف ج ۲
صلتا مطبوعہ علمی پریس لاہور ملاحظہ ہو لکھا ہے۔ ومن تزوج امرأة
لا یحل له نکاحها فوطئها لا یجب الحد علیه عند ابی حنیفه۔ اگر
کوئی شخص ان عورتوں میں سے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے نکاح کر کے
مجامعت کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں۔ اگر
اب بھی قدرے اجمال معلوم ہو تو لیجئے اس سے زیادہ تصریح ملاحظہ کیجئے۔ لو
تزوج بذات رحم نحو البنت والاخت والعمة والخالة وجامعها
لاحد علیه فی قول ابی حنیفة وان قال علمت انها علی حرام عند ابی
حنیفه۔ اگر کوئی شخص اپنی محارم جیسے بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ سے
شادی کر کے ان سے مجامعت کرے تو اگر چہ وہ تسلیم بھی کرے کہ میں شادی
کرنے وقت جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہیں۔ تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک
اس پر کوئی شرعی حد نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ صفحہ ۸۲۱)
سنتے ہو گیلانی صاحب اس کو کہتے ہیں شریعت اسلامیہ کا مذاق اڑانا
اور اغیار کے لئے طعن و تشنیع کا سامان مہیا کرنا خدارا ایسے گندے مواد کو
اپنی کتب سے نکلوا دیجئے۔

ع
نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اچھا اور سنیئے۔ ولاحد علی من وطی جاریة ولده وولد ولده
وان قال علمت انها علی حرام ولو تزوج امرأة لها زوج

فوطئها لا حد علیه عند ابی حنیفہ وان لم یبلغ الحلم۔ جو شخص اپنے بیٹے
یا پوتے کی لونڈی سے مجامعت کرے اگرچہ وہ یہ اقرار بھی کرے کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ
پر حرام ہے تاہم اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی شوہر دار عورت کے ساتھ
شادی رچائے اور مقاربت بھی کر گذرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر بھی
کوئی حد نہیں۔ اگرچہ وہ یہ دعویٰ بھی نہ کرے کہ میں نے جہالت سے اسے حلال سمجھا
تھا۔ (قاضی خاں ج ۴ ص ۱۲۲) اہل انصاف بتائیں کہ جب یہ دھاندلی اور فسق آفرینی
شریعت مقدسہ میں جائز ہو جائے۔ تو پھر اس میں اور مجوسیت میں فرق ہی کیا رہا۔
ایسی ہی خلاف عقل و شرع تعلیمات سے دنیا والے دین اسلام سے متنفر ہو رہے
ہیں۔ اب ہم تندرست ترمیم کے ساتھ وہی سوال گیلانی صاحب سے کرتے ہیں جو انہوں نے
ہم سے کیا ہے کہ کیا ان پاکیزہ تعلیمات کا ثبوت کن کن آیات و احادیث میں موجود ہے؟
نیز ان زریں احکام و قوانین پر آپ کے خلفاء راشدین میں سے کس کس خلیفہ نے کہاں اور
کب عمل درآمد کیا ہے جو اس کا ثبوت درکار ہے۔ الخ

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اعتراض چہارم: سیاہ لباس اس لئے پہننا حرام ہے کہ یہ لباس فرعون ہے اور دوزخیوں
کا لباس ہے۔ دیکھو حلیۃ المتقین ص ۸ نولکشور۔ محرم جیسے مبارک مہینے میں خصوصیت
کے ساتھ شیعہ حضرات سیاہ لباس کیوں پہنتے ہیں (آئینہ ص ۶)

الجواب: سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم کسی کتاب میں سیاہ لباس پہننے کی حرمت کا ذکر
نہیں۔ نہ حلیۃ المتقین میں اور نہ کسی اور کتاب میں یہ مؤلف کا افترا ہے۔ وانما
یفتری الکذب الذین لا یؤمنون (قرآن کریم) ہاں اس کی کراہت کا تذکرہ
ائمہ اطہار کے اخبار اور علماء اخیار کے اقوال و آثار میں موجود ہے۔ چنانچہ
حلیۃ المتقین طبع بمبئی ص ۵ پر یہ عنوان ہے۔ فصل چہارم۔ در بیان رنگہائے جامہ۔

زرعایہ مستحب یا مکروہ است۔ اس کے ضمن میں سرکار علامہ فرماتے ہیں "پوشیدن جامہ سیاہ کراہت شدید دارد در ہمہ حال مگر در عمامہ و عبا و موزہ" صفحہ ۶ اگر گیلانی صاحب لباس سیاہ کے ساتھ حرمت کا بیان حلیۃ المتقین میں دکھادیں۔ تو نقد ایک سو روپیہ انعام پائیں۔ لیکن یہ کراہت بھی جیسا کہ حلیہ کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ سیاہ لباس میں سے تین چیزیں عمامہ، عبا، موزے تو بالاتفاق مستثنیٰ ہیں۔ اور اکثر کے نزدیک بوقت حزن و ملال بھی سیاہ لباس کا پہننا جائز ہے۔ اگر علی الاطلاق ہر سیاہ لباس مکروہ یا (بقول گیلانی صاحب) حرام ہے تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاہ اشیاء کو استعمال کرنے کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے گا۔ (بخاری شریف ج ۴ صفحہ ۱۷۱ طبع مصر پر مرقوم ہے فتنادیت یہ۔ فاذا ھو فی حائط وعلیہ خمیصۃ ھو نیۃ تو صبح آنحضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو آنحضرت ایک باغ میں تشریف رکھتے تھے۔ اور اوپر کالی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ حاشیہ پر خمیصہ کا یہ معنی لکھا ہے کساء من صوف اسود) یعنی سیاہ صوف کی چادر اور وحید اللغات مؤلفہ علامہ وحید الزمان حیدرآبادی ج ۲ صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ اصح المطابع کراچی پر لکھا ہے۔ علیہ خمیصۃ جونیہ آپ ایک کالی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ اسی لئے تو حضرات آج تک آنحضرت کو کالی کملی والے کہتے ہیں۔ کتاب تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۰۶ طبع مصر دلد ۱۱ تاریخ طبری ترجمہ اردو حصہ ۲ [illegible] طبع نولکشور پر مرقوم ہے کہ جب فتح مکہ ہوئی۔ اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ تو کانت علیہ عمامۃ سوداء آپ کے سر اقدس پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ نہیں اگر رسول خدا کا فعل حجت ہے اور یقیناً حجت ہے) تو ماننا پڑے گا۔ کہ یہ اشیاء کراہت سے خارج ہیں۔

اس طرح علمائے اہل سنت کی تصریحات موجود ہیں۔ کہ حسن عورت کا [illegible] سر پر سیاہ بال قیمتی کی زینت کرتا اور زنگدار کپڑے زیب تن کرتے ہوں۔ کالی سوند [illegible]

وہ سیاہ لباس پہن سکتی ہے۔ چنانچہ کتاب کنز البیان ص۳۸ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے دز ابالبس باسود۔ شوہر مردہ عورت کو سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اپنے چار ٹکوں کے آدمی کے غم والم میں تو سیاہ لباس پہننا جائز۔ لیکن سید الشہداء روحی وارواح العالمین لہ الفداء کے شعار حزن وملال میں اس کا استعمال قابل اعتراض ہے۔ ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

خود اہل سنت حضرات کی بعض کتب سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بعض ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے سوگواری کے مقام پر سیاہ لباس استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید معتزلی میں جناب اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ میں حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جب مسجد کوفہ میں داخل ہوا فرأیت الحسن والحسین علیہما السلام لابسی السواد۔ میں نے جناب امام حسن وحسین علیہما السلام کو سیاہ کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ اسی کتاب میں جناب ابن عباس سے اسی موقعہ پر یوں مروی ہے۔ کہ کان خرج (ای الحسنؑ) الیھم وعلیہ ثیاب سود جناب امام حسن علیہ السلام اپنے دولت سرا سے برآمد ہوئے۔ درآنحالیکہ آپ کے جسم اقدس پر سیاہ کپڑے تھے پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا۔ کہ مقام تعزیت وسوگواری میں بالعموم اور سید الشہداءؑ کی مصیبت عظمیٰ کی یاد میں بالخصوص سیاہ لباس پہننا جائز ہے۔ ماہ محرم الحرام جس میں خاندان رسول پر مصائب وآلام کے وہ پہاڑ ڈھائے گئے جن کی نظیر صفحات تاریخ پر ڈھونڈھے سے نہیں ملتی۔ جن کی وجہ سے سرکار ختمی مرتبت نے اپنے سر وریش اطہر پر خاک ڈالی (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۲ طبع بمبئی) کو مبارک ومیموں قرار دے کر گیلانی صاحب نے اپنے جد ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ عبد القادر جیلانی کی تقلید ہی کی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے بالخصوص یوم عاشورا (جو کہ رسولؐ اور آل رسولؐ اور ان کے سوالیان کے خاص حزن وملال کا دن ہے) کو مبارک اور یوم عید وسرور قرار دیکر

(۳۴۵ ترجمہ اردو طبع لاہور)

خاندانِ رسول کے ساتھ اپنی دشمنی کا ثبوت دیا تھا (غنیۃ الطالبین) اب ان کے پوتے نے تمام صحیبہ کو ہی بالاجمال مبارک قرار دے کر اپنے خبثِ باطن کا ثبوت دیا ہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست

اعتراض ہانزدہم۔ جزع فزع یعنی واویلا اور پیٹنا الا کافر ستانی ہے دیکھو فروع کافی جلد اول ص۲۷ نولکشور (آئینہ ص۱۳)

الجواب۔ اصل حدیث میں جزع فزع اور واویلا کرنے اور پیٹنے کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا جب مومن پر کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور جب کافر پر نازل ہوتی ہے تو وہ صبر نہیں کرتا۔ اس میں مومن و کافر کی ممدوح و مقدوح دو صفتوں کا ذکر موجود ہے۔ کہ مومن کی صفت اچھی اور کافر کی صفت بُری ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جس میں صبر ہو وہ مومن جو بے صبری کرے وہ کافر بالکل غلط ہے۔ حالانکہ بعض کافر بھی بڑے بڑے مصائب و آلام پر صبر و شکیبائی سے کام لیتے ہیں۔ تو کیا وہ مومن بن جائیں گے۔ اور بڑے بڑے مومن بعض اوقات بےصبری کا مظاہرہ کر گذرتے ہیں۔ تو کیا وہ کافر ہو جائیں گے۔

وللقول بہ اجلاع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

حالانکہ اس آیت میں یہ بھی مذکور نہیں کہ کس مصیبت پر صبر ممدوح اور بےصبری مقدوح۔ اس سے کونسی مصیبت مراد ہے؟ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس مصیبت سے مراد وہ مصیبت ہے۔ جو خود انسان پر براہِ راست نازل ہو۔ کلمہ احادیثِ معصومین علیہم السلام میں تصریح موجود ہے۔ کہ کل جزع و فزع شنیع الا علی قتل الحسین (ع) ہر جزع فزع قبیح ہے مگر حسین بن علی علیہما السلام پر کہ وہ قبیح نہیں ہے۔ (وسائل الشیعہ و فصول المہمہ فی اصول الائمہ ص۱۷۳ وغیرہا من الکتب المعتبرہ)

اچھا گیلانی صاحب! اگر ہر قسم کی مصیبت میں ہر قسم کا واویلا اور پیٹنا ناجائز اور حرام اور ایسا کرنے والا کافر مطلق ہے تو جناب ام المومنین عائشہ کے متعلق کیا فتویٰ صادر کیجئے گا۔ کیونکہ انہوں نے بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ کی وفات حسرت آیات پر اپنے منہ اور سینہ پر پیٹ کر ماتم کیا تھا۔ چنانچہ کتاب سیرۃ ابن ہشام ص ۳۷۱ / ج ۲ طبع مصر سیرۃ النبویہ برحاشیہ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۷۱ سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۲ وغیرہ کتب میں خود عائشہ صاحبہ کی زبانی منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات حسرت آیات واقع ہوئی تو

وضعت ر... علی وسادۃ و قمت التدم مع النساء واضرب وجھی

میں نے ان کے سر اقدس کو سرہانے پر رکھ دیا۔ اور خود کھڑے ہو کر عورتوں کے ساتھ منہ پر پیٹنا (بعض روایات میں صدری کا اضافہ بھی ہے یعنی منہ اور سینہ پر پیٹنا) شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ماتم کرنے والی فقط بی بی عائشہ ہی نہیں بلکہ دیگر ازواج و صحابیات بھی تھیں نیز حالات کا تقاضا یہ تھا کہ صحابہ کو بھی ضرور ان کے اس فعل کا علم ہوگا۔ کیونکہ وہ وہاں موجود تھے۔ سوائے ان کے جو جنازہ پیغمبر کو گھر میں چھوڑ کر سقیفہ میں اپنی خلافتوں کی داغ بیل ڈالنے میں مشغول تھے۔ ان کا منع کرنا بھی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ گریہ و بکا اور ماتم و سینہ کوبی کرنا گویا ان سب حضرات کے نزدیک جائز تھا۔ اب تو معاملہ بہت آگے بڑھ گیا۔ لیجئے گیلانی صاحب! اب آپ کو اختیار ہے۔ ہم پر جو چاہیں فتویٰ صادر کریں اور کرائیں۔ لیکن یہ پہلے سوچ لیں۔ کہ آپ کے ان فتووں کی زد میں کون کون بزرگوار آ جائیں گے؟ حضرت ناصح نے کبھی اتنا تو سوچا ہوتا کہ ہم جو یہ عزاداری مناتے ہیں آخر ہمارے پاس بھی قیاس کے جواز پر کچھ دلائل و براہین ہوں گے؟ نا صحا اتنا تو دل میں سمجھ اپنے کہ ہم

لاکھ ناداں ہیں کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے۔

اعتراض شمارہ دہم۔ شیعوں کو حکم ہے کہ جب کسی سنی کے جنازے میں شامل ہوں تو یہ دعا مانگیں کہ اے اللہ پر کر اس کی قبر کو آگ سے اور جلدی لے جا اس کو آگ میں۔ سنوالی بناتا تھا دشمنوں کو یعنی ابوبکر و عمر و عثمان کو۔ دیکھو
کتاب فروع کافی ج ا صفحہ مطبع نولکشور (آئینہ و ۵)

الجواب۔ ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد
جناب بہ صفحہ سطر دسے کر عوام الناس پر ظاہر تو یہ کر رہے ہیں۔ کہ ان کے حوالجات میں کذب و افترا کا شائبہ تک نہیں ہے۔ لیکن وہ اس قدر علمی خیانت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان اتنی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس عبارت میں انہوں نے کھلم کھلا دو خیانتیں کی ہیں (۱) جب کبھی سنی کے جنازے الخ (۲) دشمنانِ خدا کی تفسیر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان سے کی ہے حالانکہ اصل کتاب میں ان دونوں باتوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔

جس باب میں یہ روایت درج ہے اس کا عنوان ہے باب الصلوٰۃ علی الناصب (ناصبی دشمن آلِ رسولؐ) پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا بیان۔ اور خود روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ اذا صلیت علی عدو اللّٰہ۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کبھی کسی دشمنِ خدا پر نمازِ جنازہ پڑھو تو یوں کہو۔ فرمائیے اس میں معاذ اللہ اہلِ سنت کے جنازہ پر اس دعا کرنے کا تذکرہ کہاں موجود ہے؟ ناصبی کو اہلِ سنت سے کیا رابطہ و تعلق ہے؟ اہلِ سنت تو محبتِ آلِ رسولؐ کو اجرِ رسالت سمجھتے ہیں۔ ناصبی و خارجی نہ سنی ہیں اور نہ شیعہ۔ وہ عند الفریقین مجروح و مقدوح و مردود ہیں۔ ہاں
مد جب جی کی داڑھی میں تنکا۔ چونکہ خود گیلانی صاحب بھی پیر سے دشمنِ آلِ رسولؐ ہیں۔ جب کہ ان کے اس رسالہ کی سطر سطر سے مترشح ہو رہا ہے۔ اور کہلاتے اہلِ سنت ہیں۔ انہوں نے بزعم خود یہ خیال کر لیا ہے۔ کہ گویا ہر سنی کے لئے ناصبیت یعنی دشمنیٔ آلِ رسولؐ

ضروری ہے اے معاذ اللہ ع — بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی طرح روایت میں ہے کہ بارالہٰا یہ بندہ تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ روایت میں ان دشمنوں کا کوئی نام و نشان مذکور نہیں ہے۔ ان سے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان کو مراد لینا یہ بھی گیلانی صاحب کی خوش فہمی کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نادان دوست خود ان حضرات کو دشمنِ خدا سمجھتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

باقی رہا یہ امر کہ دشمنانِ خدا پر کیوں بددعا کی جائے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جس کو پورا کرنا ہر صحیح الفطرت انسان کا کام ہے جو درود و سلام کا مستحق ہے اس پر درود و سلام بھیجنا چاہیے۔ اور جو لعن طعن کا مستحق ہے اس پر لعن طعن کرنا چاہیے۔ یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون۔ سرورِ کائنات علیہ وآلہ الاف التحیات نماز کے قنوت میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوہریرہ نے آنحضرتؐ کی نماز نقل کی اور کہا کہ آپ بطور وظیفہ ظہر و عشاء اور صبح کی نماز کے قنوت میں یدعو للمومنین ویلعن الکفار مومنین کے لئے دعائے خیر اور کافروں پر لعنت بھیجتے تھے۔ (بخاری شریف جلد اول [illegible] مطبع مجتبائی دہلی) لیکن جو لوگ قنوت کے نام سے بھی ناواقف ہیں اور تارک ہو کر بھی اہل سنت کہلاتے ہیں۔ وہ اگر ان حقائق کو نہ سمجھ سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عبداللہ ابن عمر سے تو یہاں تک مروی ہے کہ آنحضرتؐ حالتِ نماز میں بعض اشخاص پر نام بنام لعنت کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد ۴ صفحہ ۷۹ مطبوعہ مصر [illegible] قال ابن عمر دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ اللھم العن فلاناً و فلاناً۔ ابن عمر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم حالتِ نماز میں بددعا کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ اے اللہ فلاں و فلاں پر لعنت بھیج۔ اس حدیث میں شخصی لعنت سے گھبرانے والے حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ موجود ہے ع

گر نباید بگوش حقیقت کس   بہ سولاں بلاغ باشد و بس

اعتراض سیزدہم۔ اگر پانی نہ ملے تو استنجا تھوک سے کر لینا چاہئے بشرطیکہ تھوک اپنی ہو۔
دیکھو فروع کافی جلد اول ص۱۱ مطبع نولکشور (آئینہ ص ۲)

الجواب۔ خدا کی شان ہے وہ لوگ بھی تھوک سے طہارت کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ جن کے ہاں طہارت کا یہ عالم ہے کہ منی ایسی غلیظ اور نجس (جس کے نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے) نماز کے لئے بدن و کپڑوں سے دھونا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ فقط کھرچ لینا کافی سمجھتے ہیں (ہدایہ و بخاری شریف و قاضی خاں وغیرہا) بلکہ اگر نجاست لگی ہو تو نہ دھونے کی ضرورت اور نہ کھرچنے کی نجاست میں لتھڑے ہوئے بھی نماز جائز ہے۔ وان لم یغسل النجاسۃ وصلی جاز۔ اگر نجاست کو نہ دھوئے اور نماز پڑھے تو جائز ہے۔ دیکھو (قاضی خاں جلد ۱ ص۱۱ مطبع نولکشور) اور اگر زیادہ احتیاط کرنا چاہے۔ تو اس غلاظت و نجاست کو اپنی زبان مبارک سے آتنا چاٹے کہ نجاست کا اثر جاتا رہے۔ ذکر ان اذا اصابت النجاسۃ بعض اعضائہ ولحسہا بلسانہ حتی ذہب اثرہا۔ اسی طرح جب کوئی نجاست اس کے بعض اعضاء پہ لگ جائے اور وہ اسے زبان سے چاٹے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر زائل ہو جائے تو عضو پاک ہو جاتا ہے۔ (کتاب فتاوی قاضی خاں ج ۱ ص۱۱) سبحان اللہ اسے کہتے ہیں کم خرچ اور بالا نشین۔ گیلانی صاحب مبارک ہو نہایت پاک و پاکیزہ غذا بھی میسر ہو گئی۔ اور عضو نجس بھی پاک ہوا۔ "ہم خرما و ہم ثواب" ع
"تفاوتات ہیں نہ اپنے کہ"۔ انصاف تو یہ تھا۔ کہ آپ حضرات شیعہ خیر البریہ کی طہارت و نظافت کی داد دیتے۔ کہ وہ اس قدر طہارت کے پابند ہیں۔ کہ اگر کسی وقت پانی بالکل میسر نہ ہو سکے تو مقام بول کو جو کہ بالکل مختصر مقام ہے۔

اور ایک دو قطرہ پانی سے پاک ہو سکتا ہے تھوک سے بھی پاک کرنے سے گریز نہیں کرتے اور گیلانی صاحب کے اہل مذہب کی طرح نہ چاٹتے ہیں اور نہ کھرچتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کا یہ ہنر بھی گیلانی صاحب کی نظر میں عیب دکھائی دے رہا ہے سچ ہے ع

"ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبیست" قل موتوا بغیظکم .... اچھا گیلانی صاحب اگر آپ کی ابھی تک بھی تسلی نہیں ہوئی۔ اور تھوک سے ہی طہارت کا ثبوت لینا چاہتے ہیں تو ذرا اپنی بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۴۴ مطبع مجتبائی دہلی ملاحظہ فرمائیں۔

قالت عائشۃ ما کانت لاحدنا الا ثوب واحد تحیض فیہ فاذا اصابہ شیٔ من دم قالت بریقھا فمصعتہ بظفرھا۔ جناب عائشہ کہتی ہیں کہ ہم ازواج نبی کے پاس ایک ایک کپڑا ہوتا تھا جس میں ہمیں حیض بھی آ جاتا تھا پس جب اس پر خون حیض لگ جاتا۔ تو ہم اسے تھوک سے پاک کر لیتی تھیں اور اگر کچھ باقی رہ جاتا۔ تو اسے ناخنوں سے کھرچ دیتیں۔ فرمایئے گیلانی صاحب پیشاب زیادہ نجس ہے یا حیض جس کے بعد غسل واجب ہے۔ بخلاف بول کے کہ اس میں فقط مقام مخصوص کی طہارت ہوتی ہے۔ تو جب تھوک سے خون حیض والا کپڑا پاک ہو سکتا ہے۔ تو اس سے استنجا کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیونا۔ جائز ہے۔ اور یقیناً جائز ہے۔ بولئے کیوں نہیں کہیں چوٹ نہ برداشت کرتے ہوئے ملک عدم کو تو نہیں سدھار گئے۔ ع

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر　　پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

اعتراض ہیجدہم "موجودہ قرآن ناقص ہے قابل حجت نہیں" زید اصول کافی صفحہ ۱۴۷ صفحہ ۱۶۱، صفحہ ۲۲، صفحہ ۳۶۱، صفحہ ۲۶، صفحہ ۲۶۶ مطبع نولکشور۔ آئینہ صفحہ ۹

الجواب۔ قرآن کریم کے متعلق جو حضرات شیعہ کا عقیدہ ہے اس کی تصریح عقائد شیخ صدوق علیہ الرحمۃ میں بایں الفاظ موجود ہے " اعتقادنا ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد ھو ما بین الدفتین وھو ما فی

الی ای الناس لیس باکثر من ذالک ...... (الی ان قال) ومن نسب الینا
انا نقول انہ اکثر من ذالک فھو کاذب ص۳۲ طبع ایران۔ قرآن کے متعلق ہم
شیعان علیؑ کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جو خلاق عالم نے اپنے نبی آخر الزمان پر نازل
فرمایا وہ وہی ہے جو آجکل لوگوں کے ہاتھوں دو دفتیوں کے درمیان موجود و مشہور ہے
اس سے زیادہ نہیں ---- جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم اس موجودہ قرآن سے
زیادہ کے قائل ہیں وہ کذاب ہے۔ اصول کافی کے جن مقامات کی گیلانی صاحب نے نشاندہی
کرائی ہے۔ ان میں کسی مقام پر بھی کسی امام علیہ السلام کا یہ فرمان موجود نہیں۔ کہ موجودہ
قرآن ناقص اور ناقابل حجت ہے۔ یہ گیلانی صاحب کا ذاتی استنباط ہے۔ اس کے بالعکس
اسی اصول کافی میں اور تفسیر صافی وغیرہ مقدمہ دسم پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی
اس موجودہ قرآن کی توثیق و تصدیق موجود ہے فرماتے ہیں۔ اقرؤا کما یقرؤھا الناس
تم اسی طرح قرآن پڑھو جیسے عام لوگ پڑھتے ہیں جس قسم کی اخبار احاد سے جو سب قابل
تاویل ہیں گیلانی صاحب نے ہماری کتب سے تحریف قرآن ثابت کرنے کی لاحاصل سعی
نافرجام فرمائی ہے۔ اگر اس قسم کی احادیث سے تمسک کیا جائے تو اہل سنت کو بھی موجودہ
قرآن سے ہاتھ دھونے پڑیں گے کیونکہ ان کی روایات کی بنا پر موجودہ قرآن اصل قرآن کا
عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اگر شک ہو تو کم از کم اپنی تفسیر در منثور مندرجہ ذیل مقامات
کا ہی مطالعہ کر لیں پھر ان روایات کا ہماری روایات سے موازنہ کریں۔ امید ہے کہ تسکین
ہو جاوے گی جلد ۱ ص۱۰ ص۱۰۶ ص۱۲۶ ص۱۳۳ ص۳۲۳ ص۳۳۳ ص۳۱۱ ص۳۰۳ ص۲۲۳
ج۳ ص۲۰۸ ص۲۰۸ ص۳۲۲ ج۴ ص۱۷ ص۲۲۴ ص۳۳۳ ج۵ ص۳۰ ص۱۰۲ ص۱۸۰ ص۱۹۰ ص۱۷۵
ص۱۸۳ ج۶ ص۲۲ ص۲۲۲ ص۱۱۶ ص۲۰۵ ص۱۸ ص۲۱۹ ص۲۱۴ ص۲۲ ص۲۲۴

تفسیر اتقان ج۱ ص۶۵ پر تو جناب ابن عمر سے یہاں تک مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا
لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ ما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر:

تم میں سے ہرگز کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا پورا قرآن پا لیا۔ اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا۔ قرآنِ کثیر تو ضائع ہو گیا ہے۔ کہاں ہیں دوسروں کو طعنۂ تحریف قرآن دے کر آپ اس کے واحد ٹھیکیدار بننے والے۔ اگر وہ بایں ہمہ مومن بالقرآن اور عامل بالقرآن رہ سکتے ہیں۔ تو ہم ایسی بلکہ اس سے کمتر روایات کی موجودگی میں کیوں مومن بالقرآن نہیں رہ سکتے جبکہ مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ ہمارا ایمان و عمل اور ہماری تفسیر و تشریح اور ہماری تلاوت و قرأت اور ہماری درس و تدریس سب ہی کچھ اسی قرآن مجید پر ہے۔ پھر خدا معلوم کس جرم کی بنا پر ہمیں منکرِ قرآن قرار دیا جاتا ہے۔ ع

آپ ہی اپنے ذرا جور و جفا کو دیکھیں   ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اعتراض نمبر ۱۳۔ حضرت امام موسیٰ کاظم نے شیعہ کو مرتد کہا۔ دیکھو فروعِ کافی جلد سوم صفحہ ۱۰۱ نولکشور (آئینہ ص ۶)

الجواب۔ ارے اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔ ہر فرقہ اور ہر گروہ میں اچھے اور برے لوگ ہوا ہی کرتے ہیں۔ منا الصالحون ومنا دون ذالک۔ اگر امام علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ کئی لوگ ایسے ہیں کہ زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر ان کا امتحان و اختبار کیا جائے تو مرتد ثابت ہوں گے۔ تو اس سے ان کے حقیقی اور خالص شیعوں پر کیا زد پڑتی ہے یہ تو بلا تشبیہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سرکار آقائے نامدار حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا ان فی اصحابی اثنا عشر منافقا کہ میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں۔ خصائص سیوطی جلد ۲ ص ۲۶۲ طبع مصر۔ یا جیسے آپ کا یہ ارشاد کہ قیامت کے دن میرے کچھ اصحاب جہنم میں جائیں گے۔ بخاری شریف کتاب الحوض تو کیا اس سے آپ کے تمام اصحاب باصفا کے اخلاص و ایمان پر کیا اثر پڑتا ہے

اس مثال کو ملاحظہ کیجیے آنحضرت نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے دست و زبان کے شر سے دیگر۔

مسلمان محفوظ ہوں بخاری شریف ج ا صـ۶ مجتبائی دہلی سو اب اگر آپ ایسے مفسد
ملاحین کا شغلہ بھی فی سبیل اللہ فساد اور الفتنہ اشد من القتل کا ارتکاب ہے۔
اس کی زد میں آجائیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکلتا کہ آنحضرت نے سب
مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ انہوں نے تو اسلام و ایمان کا ایک معیار قائم کر دیا ہے۔
جو اس پر پورا اترتا ہے وہ مسلم و مومن ہے۔ اور جو نہیں پورا اترتا وہ مسلم و مومن
نہیں ہے یہ ایسی واضح و لائح حقیقت ہے کہ ادنیٰ بصیرت رکھنے والا انسان بھی
سمجھ سکتا ہے مگر ع

اذا لم تکن للمرء عین صحیحۃ   فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

یعنی ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اعتراض بستم۔ اگر نماز میں ذکر سے کھیلے تو نماز نہیں ٹوٹتی دیکھو استبصار جزو اول
صـ۱۰ مطبع جعفری دا ئیرہ صـ[illegible] شیعہ حضرات کو کھلونا بہت اچھا ملا ہے۔

الجواب۔ او بندۂ خدا کبھی تو سیدھے منہ بھی بات کی ہوتی ہے

لگے ہو منہ چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب   زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجو دہن بگڑا

بہر کیف ہم تو پھر بھی یہی کہیں گے ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی   جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

یہ شیعوں کی نماز ہے اپنے جزو بدن کو ہاتھ لگانے سے کیوں باطل ہونے لگی۔ نہ سنیوں کا
نکاح ہے جو بات بات پر ٹوٹنے لگے۔ اگر ٹوٹنے پہ آئے تو یہ سید الشہدا کی شبیہ ذوالجناح دیکھ کر ہی
ٹوٹ جائے۔ اور جو نہ ٹوٹنے پر آئے تو ہندوان دیکھ کر بھی نہ ٹوٹے اور نہ ہی سنیوں کی نماز ہے
کہ اگر ٹوٹنے پہ آئے تو بٹن درست کرنے سے ٹوٹ جائے (قاضی خاں ج ا صـ۱۲۲) اور جو نہ ٹوٹنے
پر آئے تو جوتیں مارتے ہی بھی نہ ٹوٹے۔ بشرطیکہ بار بار اس عمل کا تکرار نہ کرے۔ (قاضی خاں
ج ا صـ۱۲۴) اسی طرح اگر ٹوٹنے لگے تو شلوار ذرہ محکم کر دینے سے ٹوٹ جائے اور نہ ٹوٹنے پہ آئے

تو سوال کو پکڑے رہنے بلکہ اس کی لگام بھی اتار دینے سے نہ ٹوٹے (قاضی خان جلد اول ص ۶۴ طبع نولکشور) گیلانی صاحب آپکی نماز بھی عجیب سی ہے اگر باطل ہونے لگے تو اپنے ذکر کو ہاتھ لگانے سے باطل ہو جائے (جیسا کہ آپ کا خیال ہے) اور اگر ضد کرے باطل نہ ہونا چاہے تو اجنبی عورت سے بوس و کنار کرنے سے بھی باطل نہ ہو۔ لو قبل المصلی امراۃ ولم یشتھا لم تفسد صلوتہ (قاضی خاں جلد اول ص ۶۴) یہ نماز اپنی مرضی کی مالک ہے کسی کا بس نہیں ٹوٹنا چاہے تو قرآن سے کوئی حرف پڑھنے یعنی قرآن پر نظر کرنے سے ٹوٹ جائے۔ اذا نظر المصلی من المصحف فسدت صلوتہ (قاضی خان جلد اول ص ۶۴) اور نہ ٹوٹنا چاہے تو اجنبی عورتوں کی شرمگاہوں کی بنظر شہوت زیارت کرنے سے بھی نہ ٹوٹے (لو نظر المصلی الی فرج امراۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا و بنتھا ولا تفسد صلوتہ منظورہ کی ماں اور بیٹی نمازی پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ واہ رے سنیوں کی نماز تیرے خشوع و خضوع کا کیا کہنا۔ واقعاً ایسے ہی نمازی فلاح و نجاح حاصل کریں گے۔ لقد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ـــــ افسوس صد افسوس ؎

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

قاضی خان میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی پاکبازی حالت نماز میں بجائے سجدہ گاہ پر نگاہ کرنے کے گریبان میں منہ ڈال کر شرمگاہ کو تاکتا اور ناپتا رہے۔ تو بھی نماز باطل نہیں ہوتی (قاضی خاں جلد اول ص ۶۴) ع

یہ مجلس نا معقولوں کی لاحول ولا لاحول ولا

اعتراض بیست و یکم۔ اگر شیعہ اپنی عورت سے سوموار کو جماع کرے تو اس سے فرزند حافظ قرآن ہوگا۔ (دیکھو تحفۃ العوام ص ۲۸۰ مطبع نولکشور)

الجواب اس میں کیا استبعاد ہے ایام کی سعادت یا نحوست کے اثرات قابل انکار نہیں کیونکہ سنت حضرات

اپنے اسفار یا دیگر کاروبار میں ایام کی سعادت یا نحوست کا خیال نہیں کرتے؟ اور اگر کرتے ہیں۔ اور یقیناً کرتے ہیں ورنہ اگر امکنہ و اوقات کی کوئی تاثیر نہیں۔ تو ان کی کتب میں کیوں مذکور ہے کہ عقد مسجد میں اور بروز جمعہ کرنا چاہیئے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۱ طبع مصر) تو اگر مقاربت کے سلسلہ میں انہی ایام کی سعادت و نحوست کے پیش نظر ائمہ اطہار کے اخبار میں بعض اوقات کی فضیلت اور بعض اوقات کی مذمت وارد ہوئی ہے تو اس پر کیوں زبان اعتراض دراز ہونے لگتی ہے۔ کیا اس سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ ایسے لوگوں کو ائمہ اطہار سے ہی کچھ کد و کاوش ہے ع "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے" بزرگوں کے کلام کا مطلب سمجھنا ہنر اور کمال ہے نہ کہ ان پر اعتراض وارد کرنا! جن احادیث میں یہ وارد ہے کہ فلاں اچھے وقت کا بچے پر یہ اثر پڑتا ہے۔ کہ وہ عالم دین یا حافظ قرآن کریم ہوتا ہے۔ یا فلاں برے وقت کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ بچہ خراب ہوتا ہے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اوقات ان امور کے لئے علت تامہ اور سبب تام کی حیثیت رکھتے ہیں کہ کسی طرح ان کے اثرات و خصوصیات میں تخلف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ یہ مقتضیات ہیں۔ ان میں ان آثار کے ظہور کا اقتضاء موجود ہے جو کہ معمولی سے مانع کی وجہ سے بے اثر ہو سکتے ہیں۔ اس کی مثال عالم مادی میں یہ ہے جیسے کوئی طبیب حاذق یہ کہے کہ فلاں دوا میں یہ اثر و خصوصیت ہے اور کوئی شخص اس دوا کو استعمال تو کرے مگر اس کے لوازم احتیاط نہ کرے۔ بلکہ بدپرہیزی کرے۔ اور دوا کا اثر ظاہر نہ ہو۔ تو اس سے نہ دوا کی تاثیر پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ اور نہ ہی طبیب کی صداقت معرض شک میں پڑتی ہے ع "اگر آپ بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے"۔ باقی رہے حفاظ شیعہ ان کی فہرست بہت طولانی ہے ہر قرن میں بکثرت حفاظ شیعہ موجود رہے ہیں۔ اور اب بھی بحمد اللہ تعالیٰ اطراف و اکناف عالم میں بے شمار حفاظ موجود ہیں اس مختصر رسالہ میں ان کے اسمائے درج نہیں کئے جا سکتے مزید تفصیل کا شوق ہو تو مقدمہ تفسیر القرآن از مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ ملاحظہ ہو۔

اعتراض بست و دوم حضرت علی علیہ السلام اوّل مسلمان نہ تھے حالت کفر کو چھوڑ کر ایک دن بعد میں مسلمان ہوئے۔ دیکھو اصول کافی صہ ۱۵۳ طبع نولکشور (آئینہ صہ)

الجواب سچ ہے کہ ؎

وہما تکن عند امرءٍ من خلیقۃٍ ۔ وان خالہا تخفیٰ علی الناس تعلم

مؤلف نے اپنے خبث باطن کو چھپانے کی کوشش تو کی لیکن اپنی ناصبیت کا کھلے بندوں اظہار کر ہی دیا۔ و لتعرفنہم فی لحن القول۔ ؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔ میلش اندر طعنہ پاکاں زند

روایت میں صرف لفظ (یوم اسلم) ہے جس کا مناسب مقام ترجمہ ہے جس روز آنجناب نے اپنے اسلام کا اظہار فرمایا" کیونکہ کفر کے بعد تو وہ مسلمان ہوتا ہے جس کا پہلے کفر ثابت ہو قطع نظر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی مخصوص شان امامت و منصب خلافت کے (کہ امام بچپن ہی میں جملہ کمالات و خصوصیات کا حامل ہوتا ہے لان الامام امام ولو کان صبیاً کالانبیاء) لیکن اگر انہیں ایک عام انسان کی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو بھی ایک لحظہ کے لئے بھی ان کا معاذ اللہ کفر و شرک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد رسول ہے۔ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ثم ابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر بڑے ہونے کے بعد اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں تو سرور عالم کے جمال باکمال کا مشاہدہ فرمایا۔ خدا کے لئے لعاب دہن رسول چوسا۔ اور اشرف الانبیاء والمرسلین کی ہی نگرانی میں نشو و نما پا کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے اور ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ آنحضرت نے دعوی رسالت فرمایا۔ اور آنجناب نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق و تائید فرمائی۔ اور اس روز سے اپنی خلافت و وصایت کا اعلان کرایا۔ (مسند امام احمد و غیرہ) اس اثناء میں وہ کون سا وقت ہے جس میں آنجناب نے معاذ اللہ کفر کا ارتکاب کیا تھا کہ گیلانی صاحب انہیں ان لوگوں کی صف میں کھڑا کرتے ہیں جن کا چالیس چالیس سال تک

کفر و شرک کی وادیوں میں چکر لگانا اظہر من الشمس حقیقت ہے یہی وجہ تھی جس کے پیش نظر علمائے اہل سنت بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ انہ لم یکفر باللہ طرفۃ عین کہ آنجناب نے چشم زدن کیلئے بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر اسی لئے تو آج تک دنیا آپکے نام کے ساتھ بجائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کرم اللہ وجہہ لکھتی اور بولتی ہے ۔ لم یعبد الاوثان قط (صواعق محرقہ طبع مصر) (ص ۱۰۸) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ اسی لئے کرم اللہ وجہہ کہ خداوند عالم نے ان کے چہرہ مقدس کو بتوں کے سامنے جھکنے سے کرم محترم رکھا۔

اب اگر لفظ "یوم اسلم" کا مطلب یہ لیا جائے کہ آج مسلمان ہوئے اور پہلے معاذ اللہ کافر تھے تو پھر آنحضرت کے متعلق وارد شدہ لفظ یوم ادعی النبوۃ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس روز آنحضرت نے اظہار و اعلان نبوت فرمایا۔ یہ ترجمہ ہو گا کہ جس دن آپ نبی بنے یعنی پہلے معاذ اللہ نبی نہ تھے۔ غالباً اسی کم عقلی اور سوء فہمی کی وجہ سے بعض علمائے اہل سنت نے یہ کہہ ہی دیا کہ کان علی دین قومہ اربعین سنۃ "کہ آنحضرت چالیس برس تک اپنی قوم کے دین (کفر) پر تھے" (تفسیر کبیر طبع مصر) نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ سچ ہے یک من علم را دہ من عقل باید" ع

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا ست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اعتراض بست و سوئم :- "تمام صحابہ بعد از انتقال رسول کے بجز تین چار آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے۔ دیکھو صحیح کافی جلد سوم ص ۱۱۵ طبع نولکشور شیعہ حضرات فرمائیں کہ ان تین چار آدمیوں میں حضرت علی بھی شامل تھے یا نہیں؟ (آئینہ ص ۸)

الجواب :- ابھی گیلانی صاحب نے اپنی ناصبیت کا بھانڈا پھوڑا ہے۔ چھوڑا ہے ہم ان کی تو [illegible] حقیقت ناظرین ے

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے بلا یہ کون لیتا جان پر لیتے تو ہم لیتے

حضرت گیلانی صاحب [illegible] اگر نبیصت کے بعد ان کے اصحاب کا مرتد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی بات نہیں جسے [illegible] تعجب دیکھا جائے [illegible] ایام سے چلا آ رہا ہے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں [illegible]

[illegible]

(حضرت ہارونؑ) کو مقرر کر گئے تھے لیکن بایں ان کے اصحاب نے گوسالہ پرستی کرکے ہوا گل کھلائے اور وصی نبی کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے لئے صفحات قرآن شاہد عادل موجود ہیں۔ پس جب ایک اولو العزم پیغمبر کے دور میں یہ واقعہ ہائلہ واقع ہو چکا ہے تو اگر یہی واقعہ مثیل موسیٰ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً کے اصحاب میں بھی رونما ہو تو اسمیں تعجب کی کیا بات ہے ایسا ہوا اور ضرور ہونا چاہیئے تھا کیونکہ خلاق عالم یہ خبر دے چکا تھا کہ لتر کبن طبقاً عن طبق (سورہ انشقاق) اے امت محمدیہ تم بھی امم سابقہ کے نقش پر چلو گے اور مخبر صادق علیہ السلام بھی یہ پیشین گوئی فرما چکے تھے۔ سیکون فی امتی ما کان فی الامم السابقہ حذو النعل بالنعل والقذة بالقذة۔ جو کچھ امم سابقہ میں ہوا ہے بالکل وہی کچھ میری امت میں بھی واقع ہوگا (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۳۔ خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۱۶/۱۲۶ وغیرہ) آنحضرت کے عین حیات ہی میں ان کے اصحاب ---- کی حالت اس قدر مشکوک تھی کہ قدرت کو ارشاد فرمانا پڑا۔ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً۔ (سورہ آل عمران) اگر آنحضرت کی طبعی موت واقع ہو گئی یا وہ قتل ہو گئے تو تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے لیکن یاد رکھو۔ تم میں سے جو شخص بھی اپنے پچھلے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹے گا، وہ خدا کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا (لیکن اس کا خمیازہ وہ خود ہی بھگتے گا)۔

چنانچہ آنحضرت کے انتقال پر ملال کے بعد ایسا ہی ہوا سوائے چند حضرات کے (حضرت سلیمان فارسیؓ و جناب ابوذر غفاریؓ و جناب مقدادؓ و جناب عمارؓ) دیگر سب اصحاب کے قدموں میں بسبب انحراف از خلافت امیر المومنین کچھ نہ کچھ لغزش آئی

ہو گئی، ان میں سے بعض تو آخر دم تک اسی حالت پر اڑے رہے اور بعض تائب ہو کر واپس پلٹ آئے (و التفصیل مقام آخر) اور وہ منافق جن کے دلوں میں مدت سے بغض و حسد اور کفر و شرک کی انگاریاں سلگ رہی تھیں اور خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے اور ان کے اظہار اور آشکار کرنے کے لئے مناسب موقع کے منتظر تھے انہوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے پوشیدہ کفر و شرک کے اظہار میں کھل کھیلے اسی لئے جناب حذیفہ کہا کرتے تھے۔ ان المنافقین الیوم شر منہم علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یومئذ یسرون والیوم یجہرون۔ منافقوں کی موجودہ حالت عہد نبوی والی حالت سے بدتر ہے کیونکہ اس وقت وہ پوشیدہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے اور آج کل کھلم کھلا طور پر ان کا اظہار کر رہے ہیں۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۱۴۳ طبع مصر)

اور بالکل ہارون حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اصحاب موسیٰ نے حضرت ہارون کے ساتھ کیا تھا۔ یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔

ناصبی نے حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق جو استفسار کیا ہے وہ اس کی انتہائی جہالت و ضلالت اور حماقت پر دلالت ۔۔۔ کرتا ہے اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ اس عہد پُر فتن میں (اور آج بھی) حضرت علی ہی کی ذات تو مومن اور مرتد اور مسلم و منافق کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے والی تھی۔ اور یہ جو لوگ غدیر خم والے اقرار و اعتراف پر باقی رہے۔ وہ مومن رہے جو منحرف ہو گئے وہ مرتد کہلائے۔ ان کی محبت۔ وعداوت ہی تو مومن و کافر اور مسلم و منافق کے درمیان مابہ الامتیاز ہے جیسا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے

ما کنا نعرف المنافقین الا ببغض علی بن ابی طالب ہم منافقوں کو علی کے بغض سے ہی پہچانتے تھے۔ (صواعق محرقہ۔ ترمذی تاریخ الخلفاء) اسی طرح آپ کا یہ ارشاد لولا انت یا علی ما عرف المومنون بعدی۔

(ارجح المطالب ینابیع المودۃ وغیرہ)

اے علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد اہل ایمان کی پہچان نہ ہو سکتی۔ کنزالعمال ج ۶ ص ۱۵۲

حضرت امیر علیہ السلام کے ایمان کے متعلق سوال کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی احمق یہ پوچھے کہ جب حضرت موسیٰ کے اکثر اصحاب مرتد ہو گئے تھے۔ تو جناب ہارون کس فریق میں شامل تھے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ناصبی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علیؑ کی ذات کل ایمان اور مجسم ایمان ہے (برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ (حیاۃ الحیوان جلد ۱ ص ۲۴۳) علاوہ بریں ان کے ایمان میں شک کرنا نبی کے ایمان میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے (یا علی انت منی وانا منک) اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۵ طبع مجتبائی دہلی۔

انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔

اعتراض بست و چہارم:۔ تقریر بی بی ام کلثوم ہمشیرہ حضرت امام حسینؑ "اے کوفہ تمہارا حال روز حال برا ہو تمہارا منہ سیاہ ہو۔ تم نے کس منہ سے میرے بھائی کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب لوٹ لیا ان کی پردگیان عصمت اور طہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر۔ اور لعنت ہو تم پر۔ دیکھو جلاء العیون اردو ص ۵۰۵ طبع شاہی پریس لکھنو۔ تقریر مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قتل حسین کے اصل بانی دمبانی شیعان

علی کو قتل کرنے والے بھی ۔ (آئینہ ص۳۰)

الجواب :- ایسی تقریر سے ایسا نتیجہ جو گیلانی صاحب نے نکالا ہے وہی اخذ کر سکتا ہے جو بات سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہی تو گیلانی صاحب سے ہمیں افسوس ہے ؎

ع۔ سخن شناس دلبرا خطا اینجا است

یہ استدلال و استنتاج ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ قاتلان جناب عثمان سنی تھے کیونکہ وہ علاوہ اس کے کہ اصحاب رسول تھے والصحابۃ کلھم عدول از روئے مذہب گیلانی صاحب) وہ سب لوگ وہی تھے جو ان کی بیعت میں تھے لہٰذا وہ سنی تھے ۔ اگر یہ استدلال صحیح ہے تو پھر گیلانی صاحب کا استدلال بھی صحیح ہے اور اگر یہ احتجاج غلط ہے (اور یقیناً غلط ہے) تو پھر گیلانی صاحب والا احتجاج بھی ناقابل التفات ہے ۔ حذو النعل بالنعل کما لا یخفی ۔ اور اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوفہ بلانے والے سب اصولی شیعہ تھے (وان کان دون الاثبات خرط القتاد) تو جس طرح سنی لوگ اپنا مذہب ترک کر کے شیعہ ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے تو کیا شیعہ کا سنی بن جانا ناممکن ہے ؟ شیعہ تو وہ ہے جو آئمہ اہلبیت کی خلافت و امامت کا قائل ہو اور ان کا تابع فرمان (شیعہ الرجل اتباعہ قاموس وغیرہ) جب تک اہل کوفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خلافت و امامت کا اقرار و اظہار کر کے ان کو دعوت نامے بھیجتے رہے ۔ تب ہر شیعہ تھے اور جب آپ کے خلاف صف آرا ہو کر آپ کے قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے اور گیلانی صاحب کے خلیفہ ششم یزید عنید کی بیعت کر لی تو اب سنی ہو گئے پس جب قتل امام عالیمقام کا ارتکاب کیا تو اس وقت مکمل سنی المذہب تھے ۔

ع۔ مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کر

قاتلانِ حسینؓ و حامیانِ حسینؓ کے مذہب کو نیز جناب نافع بن ہلال حجلی اور مزاحم بن حریث کے باہمی مکالمہ سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جب میدانِ کارزار میں انکی آپس میں مڈھ بھیڑ ہوئی تو مزاحم نے جناب نافع سے پوچھا کہ تم کس کے دین پر ہو انہوں نے کہا انا علی دین علی پھر انہوں نے مزاحم سے وہی سوال کیا تو اس نے کہا انا علی دین عثمان۔ نافع نے فرمایا "بل انت علی دین شیطان" یہ کہا اور حملہ کر کے اسے فی النار والسقر کر دیا (ذخیرۃ الدارین ص ۲۰۲)۔ اگر یزید کو اپنا خلیفہ ماننے میں شک ہو تو تکلیف فرما کر صواعق محرقہ شرح مقاصد۔ تاریخ الخلفاء شرح فقہ اکبر وغیرہ کتب ملاحظہ کریں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تو یہاں تک لکھ دیا۔ "ثم اجتمعوا علی ابنہ یزید ولم ینتظم للحسین امر بل قتل قبل ذالک" مرگ معاویہ کے بعد لوگوں نے ان کے بیٹے یزید پر اجتماع کر لیا۔ اور حضرت حسینؓ کا معاملہ منتظم نہ ہو سکا (زمین ہموار نہ ہو سکی) بلکہ اس سے قبل وہ شہید ہو گئے (تاریخ الخلفاء ص ۸ طبع مصر) اگر قاتلان حسینؓ کے مذہب کی مزید تحقیق مطلوب ہو تو رسالہ "قاتلانِ حسین کا مذہب" مطبوعہ امامیہ مشن لاہور کا مطالعہ کریں۔ ان فی ذالک لایات لقوم یعقلون

اعتراض اہلسنت ۴:- متعہ (یعنی ایک مدت منفردہ کے لیے کرایہ کا نکاح) مذہب شیعہ میں جائز ہے۔ اگر اس نکاح کے دوران مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں قرار پائے اور لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو وہ متعہ کرنے والے مرد کا بیا رشتہ قرار نہیں پا سکتا الخ بعد ازاں متعہ کے متعلق وارد شدہ ثواب پر تشنیع کرتے ہوئے لکھا ہے "کتاب برہان المتعہ تصنیف ابوالقاسم والد سید علی الحائری

میں لکھا ہے کہ ایک بار متعہ کرنے سے حضرت حسینؑ کا درجہ ملتا ہے اور دو مرتبہ کرنے سے امام حسنؑ کا اب شیعہ صاحبان بتلائیں کہ آئمہ اہل بیت بھی کیا اس کارِ خیر سے مستفید ہوتے رہے تھے یا بالکل ہی محروم رہے۔ (آئینہ ص۳)

الجواب:- گیلانی صاحب نے متعہ کی جو تعریف، اور پھر اس کے جو احکام بیان کئے ہیں وہ انہی جیسے لفظوں کا حصہ ہے۔

ع۔ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

متعہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ شیعہ ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ بلکہ سب علمائے امت کا اجماع ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں تو یقیناً جائز تھا جیسا کہ تمہارے امام فخرالدین رازی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ واتفقوا علیٰ انہا کانت مباحۃ فی ابتداء الاسلام۔ سب علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ متعہ ابتدا اسلام میں جائز تھا (تفسیر کبیر ج۳ ص۲۸۶ طبع مصر) اگر اختلاف ہے تو اس کے منسوخ ہونے میں اور جو امر پایۂ تحقیق کو پہنچا ہے وہ یہی ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ مسلم مع شرح نووی جلد اول ص۴۵۱ طبع انصاری دہلی) پر جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ہم عہدِ رسولؐ اور ابوبکر میں مٹھی بھر کھجور اور آٹے کے عوض متعہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خلیفہ ثانی نے ہمیں روک دیا۔ اسی طرح مسلم مع شرح نووی ج ا ص۴۵۴ اور بخاری شریف ج ۳ ص۱۶۱ طبع مصر پر عمران بن حصین سے مروی ہے کہ آیتِ متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ پھر نہ تو کوئی آیت اتری جس نے اسے منسوخ کیا ہو اور نہ ہی آنحضرتؐ نے ہمیں اس سے ممانعت فرمائی پھر ایک مرد (یعنی عمر ابن الخطاب شارح نووی) نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا یعنی اسے حرام کر دیا۔ یہی امر سب سے بڑی دلیل ہے کہ متعہ کو خدا اور رسولؐ خدا نے منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ خلیفہ ثانی نے اسے بند کر دیا۔ خود ان جناب کا فرمان ہے کہ۔

متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ وانا انہی عنہما واعاقب علیہما
دو متعے (متعۃ النساء و متعۃ الحج) جو عہد رسالت مآب میں جائز تھے اب میں ان سے منع
کر رہا ہوں اور بعد ازیں جو ان کا ارتکاب کرے گا میں اسے سزا دوں گا (تفسیر کبیر ج ۲ ص [illegible])
پس جب متعہ خدا و رسولؐ کا حلال و جاری کردہ ہے تو اب گیلانی صاحب کے اعتراض
کے مورد فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں خدا و رسولؐ بھی آجاتے ہیں یہ بھی حق و
حقیقت کی کرامت ہے کہ گیلانی صاحب باہمہ تعصب و عناد کے اقرار کر گئے ہیں کہ
ہی متعہ کو نکاح تو تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ ان کے صاف ستھرے مذہب میں تو
کرایہ کا زنا بھی جائز ہے اور اس پر کوئی شرعی حد بھی جاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ
فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۹ طبع نولکشور میں لکھا ہے۔ اذا زنیٰ بامرأۃ استاجرھا لم یحد عند
ابی حنیفہ" جب اجارہ والی (کرایہ والی) عورت سے زنا کرے تو امام ابوحنیفہ
کے نزدیک اس پر کوئی شرعی حد نہیں ہے۔ اس سے بھی واضح تر عبارت قاضی خان کی
ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ولو استاجر امرأۃ لیزنی بھا فزنی بھا لا یحد فی قول
ابی حنیفہ۔ ملاحظہ ہو کتاب فتاویٰ قاضی خان جلد ۴ صفحہ ۸۱۲ طبع نولکشور یعنی اگر
کوئی شخص کسی عورت کو زنا کرنے کے لئے کرایہ پر لائے اور زنا کرے تو امام ابوحنیفہ
کے نزدیک اس پر کوئی حد شرعی نہیں ہے۔ نتیجہ یہ تو سب کنجروں اور کنجریوں
کو زنا کے جواز کی سند مل گئی ہے۔ گیلانی صاحب کو چاہیئے کہ ناحق متعہ پر قلم
اٹھا کر اپنے امام کی روح کو خوش کرنا چاہیئے جنہوں نے شریعت کا حلیہ بگاڑ
کر زنا کاروں کے لئے قیامت تک کے لئے زنا کا دروازہ کھول دیا۔ واہ رے

[illegible] مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

گیلانی صاحب نے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے متعہ کرنے یا نہ کرنے کے متعلق
سوال کیا ہے۔ یہ سوال ہی غیر متعلق و غیر مفید ہے چونکہ گیلانی صاحب ان

دیجو کہ ایک امر محال ہے، تو شیعوں کے نزدیک اگر کوئی نیک آدمی آلِ رسول کی رفاقت پر فائز ہونے لگے تو انہیں کیوں اعتراض سوجھنے لگتے ہیں۔ گیلانی صاحب ذرا اپنے کارخانہ کی تو خبر لیجئے وہاں تو شہادت ہر بال دو پیسے کے حساب سے بک رہی ہے۔ (فتاویٰ بر ہمنہ جلد ا صفحہ ۱۹۰) پر لکھا ہے کہ اگر صبح و شام اعوذ باللہ کے بعد سورۂ حشر کی آخری چند آیتیں پڑھ لی جائیں تو ستر ہزار فرشتے ہمیشہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور جب مرتا ہے تو شہید مرتا ہے جو صبح کی نماز کے بعد چند منٹ طلوع آفتاب تک بیٹھ جائے ایسا ہے کہ گویا اس نے اولاد اسماعیل سے چار غلام خرید کر آزاد کئے ہیں فتاویٰ برہمنہ ج ا صفحہ ۲۹۵ شب جمعہ کو اگر نماز وتر پڑھ لے تو اگلے جمعہ تک کوئی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا اور اگر مر جائے تو شہید مرتا ہے اور ہر رکعت کے عوض ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے (فتاویٰ برہمنہ ج ا صفحہ ۳۰۲) لیجئے گیلانی صاحب اب تو بس نماز وتر باقی ہے یا تو کسی عمل کا ذکر نہ ہی کیا ہے۔ نہ واجب کی بجا آوری کی ضرورت نہ حرام سے اجتناب لازم لیجئے چھٹی ہو گئی۔ ع

یہی سمجھے وہ صاحب مولوی پاک ہو گئے۔

مزید یہ آپ رات کو با جنو ہو کر سو جائے تو اگر مر جائے تو شہید مرتا ہے فتاویٰ برہمنہ ج ا صفحہ ۳۰۲ طبع نولکشور) اگر ہر نماز کے بعد.... آیت الکرسی پڑھ لے تو صدیق بن جائے۔ فتاویٰ برہمنہ ج ا صفحہ ۲۹۴ اسی کتاب کی جلد ا صفحہ ۳۰۳ پر ایک مختصر سا عمل لکھا ہے جس کے ثواب یوں ہوا رد ہے کہ ثواب صد حج و عمرہ و ثواب شہید اور ہزار فرشتے اس کے لئے نیکیاں لکھیں گویا اس نے سو غلام آزاد کئے۔ یاں یہ بقول ہمیں شہید میرد جب مرے گا تو شہید مرے گا یہ تو پھر بھی ماڑے موٹے عمل ہیں یہاں تو شہادت اس قدر ارزاں ہے کہ اگر مرض اسہال میں مر جائے تو شہادت نصیب ہو (موطا امام مالک مجتبائی طبع مجتبائی دہلی) اگر کسی عورت پر عاشق ہو کر زنا

نہ کرے تو شہادت (کتاب مستطرف طبع مصر ۱۶۱/۲) غالباً درجہ شہادت کو اتنا حقیر و پست کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ گیلانی صاحب کے پیران بار ہا اس سے گریز کرتے تھے اسی لئے تو ہر میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کر جاتے تھے ملاحظہ ہو۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۹۸) اہل انصاف بتلائیں جب با وضو موت سے اور اسہال سے مرنے سے اور چند رکعت نماز پڑھ لینے سے خود شہادت و عبادت حاصل ہو سکتی ہے تو سنت رسول کو زندہ کرنے سے کیوں آئمہ کرام علیہم السلام کی جنت کے درجات عالیہ میں رفاقت نہیں نصیب ہو سکتی۔

ع پڑی ہے سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے۔

باقی رہا گیلانی صاحب کا عقد متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا محروم الارث ہونے کا اعتراض کرنا یہ انکی انتہائی جہل و نادانی یا شقاوت و بدبختی کی فراوانی کی بین دلیل ہے ورنہ مذہب حقہ میں اس امر کا کہیں کوئی نام و نشان ہی موجود نہیں۔ آئمہ اہلبیت کے ارشادات اور علمائے اعلام کے فتاوی و استنباطات اس امر پر متفق ہیں کہ متعہ سے متولد ہونے والے فرزند کو تمام وہی حقوق حاصل ہیں جو عقد دائمی والی اولاد کو حاصل ہوتے ہیں گیلانی صاحب اگر اس کے خلاف کوئی ثبوت دے سکیں تو فبہا ورنہ کم از کم ایک مرتبہ آیت کی تلاوت تو کر دیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔

اعتراض اہلسنت و ششتم: شیعہ مذہب میں اپنی لونڈی (زر خریدہ) کی شرمگاہ عاریۃً بلا نکاح اپنے دوست یا بھائی کو دینی جائز ہے دیکھو کتاب استبصار جز و ثانی صفحہ (؟) مطبع جعفری) آئینہ صفحہ ۹)

الجواب: زر خرید لونڈی مثل دیگر مملوکہ مال کے ہوتی ہے جس طرح اپنا دیگر مال عاریۃً دیا جا سکتا ہے اسی طرح صیغہ مخصوصہ حالات و شرائط "عاریۃً" کے ذریعہ اپنی لونڈی دوسرے پر حلال کی جا سکتی ہے اور اگر شریعت کے حکم کے تحت اگر

یا زوجیت کہہ کر ایک اجنبیہ عورت سے مباشرت جائز ہو سکتی ہے (حالانکہ اگر اجرائے صیغہ سے قطع نظر کر لی جائے تو زنا اور نکاح میں بظاہر کوئی فرق نہیں) تو اسی شریعت کے حکم کے بموجب حلت ملک جماع رکھتا کہہ کر ایک کی لونڈی دوسرے کو کیوں حلال نہیں ہو سکتی یہ تحلیل ہزار خراب سہی کیا تمہارے حلالہ سے بھی خراب تر ہے جس نے ہنود کے نیوگ کو بھی مات کر دیا۔ حالانکہ رسالتمآب کی حدیث موجود ہے لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔ اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے۔ دونوں پر لعنت کرے (حلالہ یہ ہے کہ کسی عورت کو تین طلاق دے دی جائیں اب کوئی شخص اس سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وطی کر کے پھر اس کو طلاق دے دیوے گا تاکہ وہ عورت اگلے شوہر کے لئے پھر حلال ہو جاوے)۔ دیکھو وحید اللغات ج ۱ ص ۱۲۵ باب الحاء کذا فی النہایہ ابن اثیر) لیکن اہل سنت ہیں کہ مدعی اتباع سنت ہو کر بھی برابر حلالہ کرا اور کرا رہے ہیں۔ کیا آپ کے شیوخ میں سے بھی کسی شیخ نے اس مبارک مسئلہ پر عمل درآمد کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو اس بے غیرتی کا ثبوت مع حوالہ درکار ہے؟ اور تحلیل کے متعلق تو کوئی ممانعت بھی وارد نہیں ہوئی تو وہ کیوں حرام ناجائز ہونے لگی بلکہ اس کے جواز کے کچھ آثار آپ کی کتب میں بھی موجود ہیں چنانچہ البحر الرائق ج ۳ ص ۸۷ طبع مصر میں مرقوم ہے لو اضاف الهبة الی الامة بان قال الرجل وهبت امتی هذه منک فان کان الحال یدل علی النکاح فهو الی النکاح وان لم ینصرف الی ملک الرقبة اگر ہبہ کی اضافت لونڈی کی طرف دے اور کسی مرد سے یوں کہے "میں نے تجھے یہ لونڈی ہبہ کر دی" پس اگر حالات ایسے ہوں جو نکاح پر شہادت دیں تو یہ نکاح بن جائے گا اور اگر اس نے نکاح کی نیت نہ کی تو یہ لونڈی دوسرے شخص کی ہو جائے گی"۔ اگر یہ کھلے حرمت و عدم جواز ہے تو دلیل شرعی پیش کرو فقط آئیں بائیں شائیں کرنے سے

کوئی حلال و حرام نہیں بنا سکتا۔ ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین۔

ع۔ ناصحا اتنا تو دل میں سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

اعتراض بست و ہشتم: "مشت زنی کرنا درست ہے۔ کوئی خرقہ نہیں دیکھو کتاب فروع کافی ص ۲۳۲ (آئینہ ص ۱۰۱)

الجواب: ہماری احادیث اہل بیت عظام و اقوال فقہاء کرام مشت زنی کی حرمت پر متطابق و متوافق ہیں حتیٰ کہ احادیث اہل بیت علیہم السلام میں اسے زنا سے تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ اصول کافی کی محولہ بالا جلد و صفحہ اور اسی باب کی حدیث ۳ سے واضح ہے۔ محولہ بالا حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس پر حد نہیں۔ ہاں تعزیر جاری ہو گی۔ کما لا یخفیٰ۔

تعجب تو ان لوگوں سے ہے جو دوسروں پر زبان اعتراض دراز کرتے ہیں لیکن ان کی اپنی ٹکسال کا یہ عالم ہے کہ اس میں جو فتاویٰ گھڑے جاتے ہیں ان میں یہاں تک موجود ہے کہ اگر بحالت روزہ میں مشت زنی کی جائے تو اس سے نہ کوئی گناہ لازم آتا ہے اور نہ ہی روزہ ٹوٹتا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خاں جلد ۱ ص ۹۸ نولکشور) لو ناکح بہیمۃ ولم ینزل او میتۃ لم ینزل او ناکح بیدہ ولم ینزل او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل۔ اگر کسی چوپائے سے مقاربت کرے یا میت سے یا مشت زنی کرے یا فرج کے علاوہ کسی اور مقام (دبر وغیرہ) میں مباشرت کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بشرطیکہ انزال نہ ہو۔ بعد ازاں صاحب کتاب ایک تحقیق انیق پر قرطاس فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وھل یباح لہ ان یفعل ذالک فی غیر رمضان ان اراد الشھوۃ لا یباح وان اراد تسکین الشھوۃ فالمرجو ان لا یکون اثما۔ یعنی آیا ماہ رمضان کے علاوہ مشت زنی جائز ہے یا ناجائز۔ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اگر محض حصول مقصود ہو تو پھر مباح

نہیں۔ اور اگر غلبۂ شہوت کی تسکین مقصود ہو تو علماء یہ کہتے ہیں کہ امید ہے کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا (فتاوی قاضی خان ج ۱ صفحہ ۹۸) ہاں اتنی احتیاط ضرور برتی گئی ہے کہ اس فعل کو بجا لانے پر اجر و ثواب مثل نماز روزہ نہیں ملتا ہاں مباح ضرور ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۲۲ پر مرقوم ہے۔ الرجل اذا کان عزبا بہ شبق فرط شہوۃ قال ان الله ان یعالج بذکرہ لتسکین الشہوۃ ولا نقول انہ ماجور علی ذالک۔ یعنی انسان غیر شادی شدہ ہو اور شہوت کا غلبہ ہو تو علماء نے کہا ہے کہ اسے جائز ہے کہ اپنے ذکر سے اس کا علاج کرے (مشت زنی کرے) اپنی شہوت کی تسکین کرے۔ ہاں ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے فعل پر اجر و ثواب بھی ملے گا سبحان اللہ گیلانی صاحب کے مذہب میں ہوس پرستی اور شہوت رانی کو کیا کیا سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ یہ اور بات کہ بانی اسلام کی احادیث میں اس کا جواز نہ مل سکے۔ بلکہ یہی موجود ہے ناکح الید ملعون "مشت زنی کرنے والا ملعون ہے (بخاری شریف) لیکن اہل سنت کو سنت نبوی سے کیا سروکار ہے۔ انہیں تو اپنے آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کر کے اندھا دھند اس کی اقتداء و اتباع کرنی ہے الا بلا برگردن ملا۔ اللہ اللہ خیر سلا اور باایں ہمہ پھر بھی نام ہے اہل السنت سچ ہے۔ ع۔ برعکس نام نہند زنگی کافور۔

اعتراض بست و ہشتم :- اگر ایک شیعہ نوجوان اور اس کی والدہ جج کو روانہ ہوں اور جوان جماع کی خواہش کرے تو اپنے ذکر کو باریک کپڑا لپیٹ کر اپنی ماں سے مجامعت کر سکتا ہے دیکھو کتاب الشرائع اور استبصار المومنین صفحہ ۱۱۵ مطبع نولکشور (آئینہ صفحہ ۱۰)

الجواب :- لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تکاد السموت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا انہ معلوم اتنے بڑے

اتہام و افتراء کے ارتکاب پر آسمان کیوں زمین پر نہیں گر جاتا اور زمین ——— کیوں
پانی میں نہیں دھنس جاتی۔ اور پہاڑ کیوں ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتے۔ معاذ اللہ وکلا شیعان
حیدر کرار و آلہ الاطہار علیہم صلوات الملک الجبار کے پاک و پاکیزہ مذہب میں
ایسے ناپاک مسائل کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے بعض نطفہ ہائے نا تحقیق
محض عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے اور اپنی دوکان چمکانے اور طالبان
حق کو حق و حقیقت سے باز رکھنے کے لئے ایسے ایسے سنگین و ناجائز ہتھکنڈے
استعمال کر کے اپنی آخرت خراب و برباد کر رہے ہیں۔ ولیس ھذا اول
قارورۃ کسرت فی الاسلام بلکہ تلک شنشنۃ اعرفہا من اخزم۔
شرائع الاسلام تقریباً ہر کتبہ میں موجود ہے۔ ہر شیعی مکتب میں پڑھائی جاتی
ہے۔ اس کے فارسی بنام جامع الرضوی اور اردو بنام جامع جعفری تراجم چھپ
کر ملک کے کونے کونے تک پہنچ چکے ہیں اگر خارجی میں جرأت و ہمت ہے تو فوراً
یہ حوالہ دکھائیں اور ہم سے نقد مبلغ پانصد روپیہ انعام پائیں ورنہ بصورت دیگر
حسب وعدہ دو۔ اگر مسائل مندرجہ ذیل میں سے کوئی مسئلہ غلط نکلے تو یہ ناچیز
دس روپے فی مسئلہ بطور جرمانہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے بصورت عدم ادائگی
بذریعہ عدالت وصول کیا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی علاوہ شرمندگی کے تائب ہونا
پڑے گا۔ اور ممکن ہے کہ وہ بلا خوف و خطر جماعت شیعہ کے ساتھ شمولیت
اختیار کر لوں (آئینہ اہل تشیع ص۲ حاشیہ ۱) رحم کو جہنم میں ڈال لیئے ہم اس
کا مطالبہ نہیں کرتے۔ گیلانی صاحب روپیہ بٹورنے کیلئے ہی تو یہ جال بچھا کر یہ
مناظرانہ کاروائیاں کر رہے ہیں سچ ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ ال
یہ مطالبہ ضرور کریں گے کہ اگر نہ دکھا سکیں اور تا قیام قیامت یقیناً نہیں دکھا
سکیں تو فوراً اپنے کذب و افتراء کے پلندہ مذہب سے اپنا توبہ نامہ

شائع کرا کے مذہب حقّہ قبول کرنے کا اعلان کریں۔ ورنہ وہ لعنت اللہ علی
انکا ذبین کی لپیٹ میں آجائیں گے

؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

باقی رہی کتاب استظہار المومنین تو ہم نے آج تک۔ اس نام نہاد
کتاب کا نام تک نہیں سنا۔ اس کے متعلق ہمیں یقین کامل ہے کہ تین امور میں سے ایک امر ضرور ہے یا تو
یہ کتاب منہاج السالکین کی طرح محض ایک فرضی نام ہے۔ یا یہ کتاب مذہب شیعہ کی نہیں ہے یا عبارت
کا وہ مطلب نہیں ہے جو خارجیت نواز نے اخذ کر کے پیش کیا ہے جیسا کہ سابقاً انکی تحریفات
کا پردہ چاک کیا جا چکا ہے بہرکیف اس امر کا اثبات بھی بذمۂ مولف ہے۔" ہاں البتہ کیلانی صاحب
کے مذہب (جس کی بنیاد ہی قیاس سے اساس پر ہے) میں لف حریر والے مسئلہ کے کچھ آثار مل
جاتے ہیں چنانچہ فتاوی برہنہ ج ۲ ص ۱۹ طبع نولکشور لکھنؤ پر مرقوم ہے: "اگر خرقہ بذکر
پیچیدہ درآورد اگر نرم باشد قضا است و کفارہ اگر درشت باشد و کفارہ لازم نہ کما فی المجموعہ"
یعنی اگر روزے دار اپنے ذکر پر کپڑا لپیٹ کر فرج میں داخل کرے تو اب اگر کپڑا بالکل باریک
ہو تو قضا و کفارت دونوں لازم ہیں اور اگر کپڑا موٹا ہو تو نہ قضا ہے اور نہ کفارہ جیسا
کہ کتاب مجموعہ میں ہے اور کتاب البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ۳ ص ۹۹ طبع مصریہ
مرقوم ہے "فلو جامعہا بخرقۃ علی ذکرہ لا تثبت الحرمۃ" اگر ذکر پر کپڑا
لپیٹ کر عورت سے مجامعت کرے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور کتاب
جامع الرموز جلد ۱ ص ۱۵۶ طبع نولکشور لکھنؤ باب الصوم میں مرقوم ہے "ولو لف ذکرہ
من خرقۃ مانعۃ للحرارۃ لم یکفر کما فی المنیۃ" یعنی اگر ایسا موٹا کپڑا جو
حرارت سے مانع ہو ذکر پر لپیٹ کر مجامعت کرے تو کفارہ نہیں پڑتا جیسا کہ منیہ میں
وارد ہے اور اسی کتاب کے باب الطہارات ج ۱ ص ۲ پر لکھا ہے "انہا لو لفت
بثوب او غیرہ لم یجب کما فی الجلال" یعنی اگر سر حشفہ کو کپڑا وغیرہ سے

لپیٹ کر داخل کرے تو غسل واجب نہیں ہوتا جیسا کہ جلالی میں لکھا ہے اسی طرح قاضی خاں ج۱
ص۲۶ پر باریک اور موٹے کپڑے کی بحث مذکور ہے اور کتاب الزام النواصب (شیعوں نے
لکھی ہے) میں تو ابو حنیفہ سے یہاں تک نقل کیا ہے (راست یا دروغ بر گردن راوی)
"ومن لف ذکرہ فی حریر وادخل فی فرجہ ونکح امہ او اختہ او بنتہ مع العلم
بالنسب وبالتحریم لا حد علیہ" یعنی اگر آدمی اپنے ذکر پر ریشم یا کوئی اور
کپڑا لپیٹ کر اپنی ماں یا بہن یا بیٹی سے مجامعت کرے تو اگرچہ اسے اس رشتہ اور
شرعی حرمت کا علم بھی ہو تب بھی اس پر کوئی حد شرعی نہیں ہے" بہرحال یہ حوالہ کہاں
تک ٹھیک ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ نکاح کر کے اپنی محارم یعنی اپنی
ماں اور بہن اور بیٹی وامثالہا سے مباشرت کرنے پر ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک حد
شرعی نہ لگنے کا مفصل بیان اعتراض ہیژدہم کے جواب میں بیان کر چکے ہیں فیہ

عبرۃ لاولی الالباب۔

شعر۔ جائیں گے آپ کس طرف شیعوں کو چھوڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

اعتراض بست و نہم:۔ میت عورت کی دبر اور قبل کو روئی سے خوب پُر کیا جائے
[illegible] شانوں سمیت ملا کر کپڑے سے سخت باندھ دیں دیکھو شرح وقایہ کافی ص[illegible] طبع نولکشور۔
(آئینہ ص[illegible])

الجواب:۔ یہاں تو میت کی دبر میں روئی رکھنے پر اعتراض ہو رہا ہے حالانکہ اس کی غرض
ظاہر ہے کہ اگر کوئی غلاظت وغیرہ خارج ہو تو وہیں رک جائے اور بدن و کفن نجس نہ ہونے
پائے۔ لیکن معترض کے مذہب میں تو اگر روزہ دار بلا وجہ بھی اپنی انگلی دبر میں ٹھونس دے
تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ فتاوی قاضی خاں جلد اول ص[illegible] طبع نولکشور "او ادخل اصبعہ
فی دبرہ لا یفسد صومہ" ہمارے نزدیک تو فقط دبر میت میں روئی رکھنے پر
اعتراض ہو رہا ہے لیکن معترض نے تمام سوراخ دبر کے علاوہ ناک۔ کان اور منہ

کپاس رکھنے کا اضافہ فرمایا ہے چنانچہ کتاب فتاویٰ قاضی خان جلد اول ۶ پر مذکور ہے " وعن ابی حنیفہ انہ یجعل القطن الحلوج فی غنرہ وفمہ۔ بعضھم قالوا یجعل فی صماخ اذنیہ ایضاً وقال بعضھم یجعل فی دبرہ ایضاً " ۔ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میت کی ناک اور منہ میں روئی رکھی جائے اور بعض نے فرمایا ہے کہ میت کے دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی کچھ روئی رکھ دی جائے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ میت کی دبر میں بھی کچھ روئی ٹھونس دینی چاہیئے ۔ فرمائیے گیلانی صاحب

شعر۔ حیلیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما ۔ ماشاء اللہ برادران اسلامی اسقدر شریعت کے پابند ہیں کہ بعد از مرگ بھی اس کی پابندی کا خیال رکھتے ہیں ۔ اس لئے منہ میں روئی رکھ دیتے تاکہ کوئی فضول کلمہ زبان سے خارج نہ ہو۔ لیکن منکر و نکیر کے سوال کے وقت مشکل درپیش آئے گی منہ تو روئی سے اٹا پڑا ہے جواب کیونکر دے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جواب نہ دینے کی وجہ سے جہنم میں جھونک دیا جائے ۔ اس کا حل تلاش کرنا ضروری ہے اور کان میں اس لئے روئی رکھ دیتے ہیں کہ غیبت وغیرہ نہ سن سکے ۔ اسی طرح دبر وغیرہ میں اس لئے ٹھونس دیتے ہیں تاکہ وضو نہ ٹوٹ جائے ۔ اگرچہ ان کا وضو اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ بغیر روئی دبائے بھی اس کے ٹوٹنے کی امید نہیں ہے کیونکہ یہ اس امام (ابوحنیفہ) کے ماننے والے ہیں کہ جس نے چالیس برس ایک وضو سے پنجگانہ نمازیں پڑھیں (فتاویٰ قاضی خان ج ۲ صـ ۴۸۹) اب روئی داخل کرنے کے متعلق ہم بھی اسی سوال کا گیلانی سے اعادہ کرتے ہیں جو انہوں نے ہم سے کیا تھا۔ آپ معمر آدمی معلوم ہوتے ہیں ۔ اس لئے آپ کا تجربہ ہو گا ۔ گیلانی صاحب یہ تو فرمائیے کہ یہ روئی ان مذکورہ بالا سوراخوں اور بالخصوص دبر میں کس طرح داخل کی جائے ۔ آیا کسی لکڑی سے داخل کی جائے یا انگشت سے ہی دبا دینا کافی ہے ۔ کہو کیسی کہی ۔

شعر۔ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اعتراض نمبر ۵۰ :۔ "شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ناصبی (سنی) آدمی کتے سے بھی بدتر ہے۔ دیکھو کتاب فروع کافی جلد اول ص۳ طبع نولکشور اپنی حضرات غیرت سے ہم کو عبرت پکڑیں کہ شیعوں کے نزدیک تمہاری کیا قدر و منزلت ہے الخ۔ (آئینہ ص۱۱)

الجواب :۔ ع۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ گیلانی صاحب نے کنبہ جوڑا۔

اس سوال کا جواب بالصواب اعتراض نمبر ۱۰ کے جواب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ناصبی سے سنی مراد لینا گیلانی صاحب کی فریب خوردگی یا دھوکہ دہی ہے۔ ناصبیت میں اپنی تصویر بنتی ہے۔ ورنہ حقیقت بالکل واضح و لائح ہے۔ کہ ناصبیوں (دشمنانِ آلِ رسولؐ) کو سنیوں (جو کہ محبت آل رسولؐ کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں) سے کیا نسبت اہلسنت کے مسلمان ہونے کا تذکرہ تو خود اسی اصول کافی ص۳۷۲ پر مذکور ہے امام علیہ السلام نے فرمایا الاسلام هو الظاهر الذی علیه الناس من شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله الخ۔ اسلام اس ظاہری توحید و رسالت کا نام ہے جس پر عامۃ الناس ہیں۔ ہمارا تو خیال یہی ہے غالباً گیلانی صاحب اس قدر تو جاہل نہیں ہیں کہ وہ ناصبی کا معنی نہیں سمجھتے ہوں ہماری تمام فقہی کتب اور کتب حدیث اس حقیقت سے لبریز ہے کہ سنی مسلمان ہیں اور ناصبی و خارجی کافر ہیں۔ ان کا مقصد اس تحریر سے تو یہ ہے فقط شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینا ہے اور فتنہ و فساد پیدا کرنا۔۔ کیونکہ

ع۔ کار ملّا فی سبیل اللہ فساد

خداوند عالم تمام اہل اسلام کو ایسے مفسد ملّاؤں کے شر و رسے محفوظ و مصئون رکھے۔

ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ع۔ شہرت کے ہم حریص ہیں عزت سے نہیں کام — بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

گیلانی صاحب یہاں ایک بہت ضروری امر جواب طلب ہے بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۳ مجتبائی دہلی
پر ایک حدیث موجود ہے لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب۔ جو شخص کسی مصیبت
میں اپنے رخساروں پر ہاتھ مارے یا اپنا گریبان چاک کرے تو وہ ہم سے نہیں ہے۔ اور ہم اعتراض
۱۵ کے جواب میں مستند اسلامی کتب سے ثابت کر سکتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ نے حضرت سرکار
کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر معہ دیگر زنان مہاجرین و انصار
کے اپنے سر و سینہ اور منہ پر ماتم کیا اب ان سے متعلق کیا فتویٰ صادر کیا جائے گا؟؟

الفتویٰ: حسبی وہو نعم۔ مذہب اہل تشیع میں تقیہ پانچواں رکن اسلام قرار دیا ہوا ہے
اور تقیہ کے معنی ہیں جھوٹ بول کر اپنی جان بچانا۔ دیکھو نماز مترجم مطبوعہ شیعہ حضرات) اور
اصول کافی ص ۴۸۳ پر درج ہے کہ حق امر ظاہر کرنا درست نہیں جو ظاہر کرے گا اسکو خدا
تعالیٰ ذلیل و عذاب کرے گا اور کتاب مذکور بالا کے ص ۴۸۴ پر درج ہے کہ فرمایا امام جعفر
صادق نے کہ تقیہ میرا دین اور میرے باپ دادا کا دین ہے جو شخص تقیہ نہ کرے وہ بے ایمان ہے

الجواب: مولف کا یہ کہنا کہ اہل تشیع میں تقیہ پانچواں رکن اسلام ہے یہ ان کا صریحی بہتان ہے
اصول دین پانچ ہیں ان میں پانچویں نمبر پر امامت ہے (توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت
قیامت) اور فروع دین چھ ہیں (یا دس۔۔۔) (نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خمس۔ جہاد) جن
میں پانچویں مرتبہ پر خمس ہے۔ تقیہ کا سرے سے ان میں شمار ہی نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام
میں تقیہ جائز و مباح ہے۔ اس لئے اسے ہم جائز و مباح ہی سمجھتے ہیں اور اس قسم
کے مسائل کا اسلام میں جائز ہونا ہی اس کے من جانب اللہ ہونے کی قطعی دلیل ہے
کیونکہ احکام فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ (فطرت اللہ التی
فطر الناس علیہا) اور تقیہ کا مطابق فطرت ہونا ایک ایسی واضح و آشکار
حقیقت ہے کہ جو محتاج بیان نہیں ہے۔ ومن ینکرھا انما ینکر باللسان

وقلبہ مطمئن بالایمان۔ اہل دل غور تو فرماویں کہ وہ ربّ رحیم۔۔۔
جیسے انسانی جان اس قدر عزیز ہے کہ ہلاکت کے وقت اس کی حفاظت کے لیے سور کا
گوشت کھانا جائز کر دیتا ہے۔ (سورۂ بقرہ) تو کیا وہ رؤف رحیم اس کی حفاظت کیلیے
جھوٹ بولنا جائز قرار نہیں دے سکتا؟ کیا جھوٹ بولنا خنزیر کا گوشت کھانے سے زیادہ
سنگین جرم ہے۔ حاشا وکلا۔ اسی لیے خلاق عالم نے اس کی عند الضرورت اجازت مرحمت
فرمائی ہے۔ اور خاصانِ خدا نے وقتاً فوقتاً اس پر عمل در آمد بھی کیا ہے۔ مگر چونکہ خوف
طوالت دامن گیر ہے لہٰذا سب دلائل و براہین سے قطع نظر کر کے فقط چند اشارات
پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء
مومنین کو کافرین سے دوستی کرنا۔۔۔۔ حرام ہے الا ان تتقوا منھم تقاۃ
مگر یہ کہ ان سے خوف ہو تو اس وقت اظہار محبت و دوستی جائز ہے (سورہ آل عمران)
توضیح و تشریح کے لئے تفسیر نیشاپوری فتح الباری وغیرہ ملاحظہ ہوں اسی طرح ارشاد ہوتا
ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان
جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے اس پر اللہ کا قہر و غضب ہے۔ ہاں جو شخص
کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے درآنحالیکہ اس کا دل حقیقت ایمان پر مطمئن ہو اسے کوئی
حرج نہیں (سورہ نحل) اس آیت کا شانِ نزول سب مفسرین نے واقعہ جناب
عمار قرار دیا کہ جب کفار نے انہیں کلمات کفر کہنے پر مجبور کر کے کہلائے تھے۔ جب آنحضرت
کو واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اگر کفار دوبارہ یہی کلمات کہوانا چاہیں تو کہہ دینا
(ان عادوا فعد) ملاحظہ ہو تفسیر در منثور، کشاف، بیضاوی، تفسیر کبیر وغیرھا)
پس ان حقائق سے معلوم ہوا کہ تقیہ جائز ہے اس کا انکار تعلیمات اسلامیہ سے
جہالت کی غمازی کرتا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یہ لوگ تقیہ کے نام سے گھبراتے
ہیں لیکن اس کے بغیر کام نہیں چلتا تو وہ بالتصریح کہہ دیتے ہیں کہ عند الضرورت

جھوٹ بولنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے چنانچہ نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ طبع دہلی
پر مرقوم ہے اگر کسی شخص کے پاس کسی کی امانت موجود ہو اور کوئی ظالم غاصب اسے لینا
چاہے تو امین پر جھوٹ بولنا جائز بلکہ واجب ہے کہ میرے پاس کسی کی کوئی امانت نہیں
(فهذا الکذب جائز بل واجب) اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۵ پر مذکور ہے کہ کسی کے
پاس کوئی آدمی موجود ہو اور اس کا قاتل آجائے تو صاحب منزل پر جھوٹ بولنا
کہ اسے اس آدمی کے متعلق کچھ علم نہیں واجب ہے (وجب علیه الکذب فی انه
لایعلم این هو) کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ تقیہ پر اعتراض کرنے والے خود جھوٹ
بولنا واجب قرار دے رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ ان حقائق کے پیش نظر اہلسنت کے
علمائے اعلام سپر انداختہ ہو گئے ہیں اور تقیہ کی مشروعیت کا اقرار کر ہی لیا ولو بعد
از خرابی بسیار چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۳۴۸ باب ۱۱ پر
رقمطراز ہیں باید دانست کہ تقیہ در اصل مشروع است بدلیل آیت قرآنی
(الا ان تتقوا منهم تقاة الخ. وحید الزمان صاحب نے نوادر اللغت کتاب ۲۶ صفحہ ۹
پر یہاں تک لکھ دیا ہے اور نادان لوگ تقیہ کو روافض کا خاص طریقہ سمجھتے
ہیں۔ حالانکہ اہلسنت کے نزدیک بھی اپنے موقعہ پر جائز ہے۔ بخاری شریف میں
حسن بصری سے مروی ہے التقیة باقیة الی یوم القیامة (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ طبع مصر)
و بعد رسالہ بہت [illegible] اصول کافی [illegible] کہ جو شخص تقیہ نہ کرے وہ
بے ایمان ہے یعنی یہی حدیث [illegible] ج ۲ صفحہ ۲۲۲ طبع حیدرآباد پر موجود ہے لا دین
لمن لاتقیة له ہے۔ خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں + گفتہ آید در حدیث دیگراں۔
[illegible] صاحب آپ کے ۲۱ عدد اعتراضات کے جوابات بعونہ تعالیٰ مکمل ہو چکے۔
[illegible] ہٹ چھوڑ دیجئے بس اب تو انصاف کیجئے انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک
[illegible] تمام ہو چکی [illegible] نہیں جرأت ہے کہ ہم [illegible] آبائی مذہب کو چھوڑ دیں [illegible]

الفاظ سے عہد کیجیے آپ پر عقدے ظاہر ہو جائیں گے کیونکہ ؎

مجھ سا مشتاق جہاں میں کہیں پاؤ گے نہیں — گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لیکر

خاتمۃ الکلام فی الجواب عن فضائل معاویہ ابن ابی سفیان

گیلانی صاحب نے آخر کلام میں بالکل بھونڈے طریقہ سے معاویہ و یزید کے فضائل بیان کرنے شروع کر دیئے ہیں مطلب سعدی معلوم است اس سلسلہ میں انہوں نے معاویہ کے کاتب وحی ہونے اور آنحضرتؐ کے سالا ہونے۔ اس کے حق میں بہت سے احادیث وارد ہونے اور اسلامی بحری بیڑے کے سپہ سالار ہو کر ممالک فتح کرنے کا بالاجمالی ذکر کر کے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ان کی جنگ کو انکی اجتہادی لغزش اور بھائیوں بھائیوں والی لڑائی پر محمول کیا ہے (آئینہ ص 11/14) اور اس سے جرم کو ہلکا کرنے کے لیے نہج البلاغہ سے جناب کے گرامی نامہ کے بعض فقرات بھی پیش کئے ہیں جن میں وجہ مخاصمت قتل خلیفہ سوم قرار دی گئی ہے (آئینہ ص 13) (الجواب)

اگرچہ فضیلت معاویہ کے یہ دلائل اس قدر بودے اور رکیک ہیں کہ محتاج ابطال و تردید نہیں۔ لیکن بپاس خاطر گیلانی صاحب بالاجمال ان کا ابطال یا استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ فقط کاتب وحی ہونا کسی انسان کی اخروی نجات کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس کے ہمراہ عمل صالح اور خاتمہ بالخیر نہ ہو۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی سرح بھی کاتب وحی تھا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا [illegible] الہامی جناب امیر علیہ السلام نے معاویہ کے متعلق اسے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا دخلت فی الاسلام کرھا و خرجت منہ طوعا تو بروز فتح مکہ مجبوراً اسلام کے اندر داخل ہوا تھا لیکن اس سے نکلا.. اپنی خوشی سے گیا (نہج البلاغۃ و لصائح کافیہ ص 12) اسی طرح ... سالا و سسر ہونے کا استدلال پہلے استدلال سے بھی کمزور تر ہے۔ اگر فقط سسر یا سالا ہونا ہی جنتی ہونے کے لئے کافی ہے

تو حیی ابن اخطب یہودی اور اسکے بیٹوں کو بھی جنّتی قرار دینا پڑے گا کیونکہ وہ خود ام المومنین صفیہؓ کے والد ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے سسر اور اسی کے بیٹے آنحضرتؐ کے سالے ہوتے ہیں کہو کیا وہ سبھی جنتی تھے۔

ع۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

پس ماننا پڑے گا کہ عمل پر ہی نجات کا دارومدار ہے اسی طرح ان کا بعض ممالک کو فتح کرنا نفس صحت و تسلیم کسی کے ایمان کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ بخاری شریف مع الفتح ج ۳ و کنز العمال ج ۳ پر آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ خداوند عالم اس دین اسلام کی تائید و تقویت فاسق و فاجر آدمیوں سے بھی کرا دیتا ہے۔ باقی رہیں وہ احادیث جو معاویہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں تو ہمیں ان کے متعلق کچھ مزید کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس کا فیصلہ خود اہل سنت کے علمائے محققین نے ہی کر دیا ہے۔ چنانچہ صاحب نصائح کافیہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۳، صفحہ ۱۶۴ پر امام شوکانی کی کتاب فوائد مجموعہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اتفق الحفاظ علی انہ لم یصح فی فضل معاویۃ حدیث۔ کہ تمام حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں ایک حدیث بھی صحیح ثابت نہیں۔ اسی طرح انہوں نے امام سیوطی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب لآلی مصنوعہ میں فضیلت معاویہ کی چند احادیث کے بعد فرمایا کلھا موضوعۃ لا اصل لھا یہ احادیث سب کی سب جعلی و من گھڑت ہیں انکی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں۔

سوائے حدیث لا اشبع اللہ بطنہ خدا معاویہ کا پیٹ نہ بھرے (کذا فی صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ دہلی) سرور انبیاء کی دعا بھلا کب مسترد ہو سکتی تھی۔ فوراً باب اجابت سے ٹکرائی۔ اور اس کا جو اثر ہوا۔ اس کی رام کہانی خود معاویہ کی زبانی سماعت فرمایئے (ازالۃ الغین مؤلفہ علامہ سید ان ان مطبوعہ بنگلور ۲ ص ۶۹) میں لکھا ہے "کہتے ہیں اس کے دسترخوان پر سو طرح کے کھانے رکھے جاتے تھے۔ اور وہ کھاتے کھاتے آخیر میں کہتے پیٹ تو نہیں بھرا لیکن منہ تھک گیا۔ یہ اثر تھا اس دعا کا جو آنحضرتؐ نے ان کو دی تھی۔ لا اشبع اللہ بطنہ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے"

انہی حقائق سے معاویہ کے اجتہاد کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اجتہاد کوئی معمولی کام نہیں۔ اس کے شرائط ہیں۔ قواعد ہیں۔ ضوابط ہیں۔ اجتہاد جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل اور لوہے کے چنے چبانے اور آنکھوں کا تیل نکالنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ جنہوں نے اس کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ وہی اس کی حقیقت سے واقف ہیں ؂

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

قطع نظر دیگر شرائط و قیود کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اجتہاد وہاں کیا جاتا ہے۔ جہاں کوئی نص (آیت یا حدیث) موجود نہ ہو۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کی حرمت و ممانعت جب احادیث نبویہ میں بالتصریح موجود ہے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام نے علی کے ساتھ جنگ کرنے کو خود اپنے ساتھ جنگ قرار دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ یا علی حربک حربی و سلمک سلمی اے علی تجھ سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا اور تجھ سے صلح کرنی مجھ سے صلح کرنی ہے۔ (مشکوٰۃ ترمذی شریف)

پس اندریں صورت معاویہ کے لئے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ کما لا یخفیٰ۔ پس ماننا پڑتا ہے کہ معاویہ کی امیر المومنین سے جنگ اس کے اجتہاد کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ اس کے ذاتی بغض و عناد اور حسد و لداد اور ملک گیری کی ہوس کا ثمرہ تھی۔

اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کا اقرار خود محققین اہلسنت نے بھی کر لیا ہے
چنانچہ علامہ تفتازانی اپنی مشہور تصنیف شرح مقاصد جلد ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ اسلامبول
پر رقمطراز ہیں۔ بنظر اختصار صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ میں جو جنگ و جدال
اور قتل و قتال واقع ہوئے۔ جیسا کہ کتب تواریخ میں مسطور اور قابل وثوق آدمیوں
کی زبانوں پر مذکور ہیں۔ یہ بظاہر اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ ان صحابہ میں سے بعض
طریق حق سے پھر گئے۔ اور ظلم و جور اور فسق و فجور کی حد تک پہنچ گئے۔ کیونکہ ان کا
اس جنگ و جدال پر باعث و محرک کوئی نیک مقصد نہ تھا۔ بلکہ بغض و عداوت
اور حسد و کینہ اور ملک و ریاست کی طلب اور شہوات و لذات کی طرف میلان تھا۔ اور
اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ نہ ہر صحابی معصوم ہے اور نہ ہر وہ جس نے نبی
صلعم سے ملاقات کر لی ہو وہ خیر و خوبی سے موسوم ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھی

لیکن بایں ہمہ اگر گیلانی صاحب ع اگر اب بھی نہ تم سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے

اہل سنت کا نظریہ شیعہ کی طرح اجتہاد کے بارے میں بھی کوئی اصول نہیں۔ اگر
اجتہاد کی نفی کرنے پر آئیں۔ تو انس بن مالک اور ابو ہریرہ جیسے کثیر الروایت اصحاب
نبی سے اجتہاد کی نفی کر دیں۔ (اصول شاشی ص ۷۳ طبع مجتبائی دہلی) اور جب سخاوت
پر آئیں۔ تو وحشی قاتل جناب حمزہ عم محترم حضرت پیغمبر صلعم کو بھی مجتہد قرار دیدیں۔
(منہاج السنۃ از ابن تیمیہ) معاویہ کا اجتہاد بھی اسی ٹکسال کی درآمد ہے۔

گیلانی صاحب نے اس ضمن میں معاویہ کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کی صلح سے بھی
ناجائز فائدہ اٹھانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "علاوہ ازیں معاذ اللہ
امیر معاویہ فاسق و منافق ہوتے تو حضرت امام حسن ہرگز اپنا ملک و علاقہ وغیرہ سب

امیر شام کے سپرد کر کے مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار نہ کرتے۔ اس اللہ کے بندے کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اس صلح سے نہ معاویہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور نہ اس کا ایمان متحقق ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے بوقت ضرورت کفار و مشرکین سے بھی مصالحت کر لینا جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ۔ باغی گروہ سے برابر جہاد جاری رکھو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے امر کی طرف پلٹ آئے۔ امر اللہ کی طرف پلٹنے کے دو معنے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امام حق کی اطاعت قبول کرے۔ دوم یہ کہ صلح کرنے پر آمادہ ہو جائے چنانچہ تفسیر کبیر ج ۷ صفحہ ۵۹۷ پر بذیل آیہ مذکورہ اس دوسرے معنی کو بایں الفاظ نقل کیا ہے (۲) الی الصلح فانہ مامور بہ یدل علیہ قولہ تعالی فاصلحوا ذات بینکم نیز منہاج السنہ ج ۲ صفحہ ۲۱۲ پر مرقوم ہے۔

اگر اب بھی شک ہو تو ذرا نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ طبع انصاری دہلی ملاحظہ ہو۔ امام نووی صحیح مسلم کی احادیث مصالحت با کفار لکھنے کے بعد افادہ فرماتے ہیں وفی ھذہ الاحادیث دلیل لجواز مصالحۃ الکفار اذا کان فیہا مصلحۃ وھو مجمع علیہ عند الحاجۃ یعنی ان احادیث میں اس امر پر دلیل موجود ہے کہ کفار کے ساتھ مصالحت جائز ہے جبکہ اس میں مصلحت موجود ہو اور شدید ضرورت اس کے جواز پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اگر ان قولی تعلیمات میں کچھ اجمال تھا تو پیغمبر اسلام نے حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ کے ساتھ صلح کر کے اپنے عمل سے اس کے جواز پر ایسی مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ جسے قیامت تک کوئی مسلمان نہیں توڑ سکتا۔ انہی مصالحہ اور ضرورتوں کے ماتحت کہ جن کے پیش نظر کفار و مشرکین اور لغاۃ و ملحدین سے مصالحت جائز ہوتی ہے۔ امام حسن مجتبیٰ نے معاویہ بن ابی سفیان سے صلح کی تھی۔ آپ کی ان مجبوریوں کا اعتراف بعض منصف مزاج علمائے اہل سنت نے بھی کر دیا

چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغتہ پ ۱۶ ص ۹ پر رقمطراز ہیں۔ اللہ تعالے اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امام اور شہزادے نے اپنی خوشی کے ساتھ یہ خلافت معاویہ کو نہیں دی۔ بلکہ مجبوری سے آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھ لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں اور معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔۔۔۔ (الیٰ ان قال) آپ معاویہ کو ظالم و غاصب جانتے اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں جانتے تھے" یہ ہے مطلب الحق یعلوا ولا یعلیٰ علیہ کا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ۔۔۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

گیلانی صاحب آخر کار میں لگے ہاتھوں یزید کی وکالت پر بھی اتر آئے ہیں چنانچہ وہ کتاب اخبار ماتم ایسی غیر مستند کتاب کے حوالہ سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب اہل بیت یزید کے سامنے گئے تو وہ بڑی نرمی اور مہربانی سے پیش آیا الخ ۔۔۔۔ تین دن جشن ماتم بھی ۔۔۔۔ بعد ازاں گیلانی صاحب یوں اپنی خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سب سے اول ماتم یزید کے گھر ہوا۔ اس لئے ماتم گویا یزید کی سنت ہے۔ اور سب ماتمی اس کے متبع ہیں" (آئینہ اہل تشیع ص ۱۴۵)

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔۔۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

کیا بدی اور کیا بدی کا نمونہ۔ بیچارے گیلانی صاحب یزید کی وکالت کرکے اس کی خاک رفاقی پیش کریں گے جبکہ ان سے قبل ان کے بڑے بڑے مولانے اور علامے مثل ابن تیمیہ حرانی و ابن حجر مکی و غزالی و محمود عباسی وغیرہم اپنی تمام کدوکاوشیں صرف کرکے بھی یزید پلید کے دامن کو قتل حسینؑ و توہین اہل بیتؑ کے بدنما داغ سے صاف نہ کر سکے ع

"بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی" ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایسا کرنے والے یزیدیوں اپنے اخلاص و عقیدت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم سب حامیان یزید کا حشر و نشر یزید کے ساتھ ہی کرے۔ کون نہیں جانتا کہ یزید ایسا بدنہاد

اور خبیث الاعتقاد تھا۔ کہ ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ۔ اپنی سوتیلی ماؤں اور سگی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ زنا کرتا تھا اور شراب پیتا تھا۔ اور نماز نہیں پڑھتا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۲۰۹ طبع مصر)
اسی طرح اس خبیث النفس کا حضرت سید الشہداءؑ کے قتل کا حکم دینا اور اہل بیت عصمت وطہارت کی تذلیل وتوہین کرنا ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ ناصبیت و خارجیت نواز قیامت تک اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ اور اگر کوئی پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کرتا بھی ہے تو خود محققین اہل سنت اس کا تار و پود بکھیر دیتے ہیں۔ علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد میں اس کے متعلق جو گرانقدر رائے ہے۔ وہ قابل ملاحظہ ہے۔ اختصار کے پیش نظر فقط ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔
آنحضرتؐ کے بعد ان کی اہل بیتؑ پر جو ظلم و جور ہوا۔ وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس کے مخفی کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اور اتنا شنیع ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ ہی نہیں۔ یہاں تک کہ پتھر اور حیوانات بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور زمین وآسمان کی مخلوق ان پر گریہ و بکا کر رہی ہے اور قریب ہے کہ ان کی مصیبت پر پہاڑ پھٹ جائیں اور زمین شگافتہ ہو جائے۔ ... پس خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے یہ ظلم کئے۔ یا جو اس بات پر راضی ہوئے۔ یا جنہوں نے کسی قسم کی کوشش کی۔ اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ (شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۷ طبع استنبول)
اگر اس عبارت میں کچھ اجمال تھا اور ان ظالمین کے نام کی تصریح نہ تھی تو اسی علامہ تفتازانی نے اپنی دوسری کتاب شرح عقائد میں اس کا بھی پردہ چاک کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ واستبشاره بذالک واہانتہ باہلبیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناه وان کانت تفاصیلہا احادًا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنت اللہ علیہ وعلی انصاره واعوانہ یعنی حق یہ ہے کہ یزید کا

شہادت حسینؑ پر رضامند اور خوشنود ہونا اور اہل بیت نبیؐ کی اہانت کرنا اُن امور قطعیہ میں سے ہیں۔ جن پر تواتر معنوی ہے۔ اگرچہ ان واقعات کی تفاصیل اور جزئیات بطور اخبار احاد پہنچی ہیں پس ہم اُن کے حال بلکہ اُس کے ایمان کے متعلق کسی مزید تحقیق کے لئے توقف نہیں کرتے۔ بلکہ صاف کہتے ہیں کہ خدا یزید پر اور اُس کے سب اعوان و انصار اور بہی خواہوں پر لعنت کرے (شرح عقائد نسفی ص ۱۸۱ طبع اسلامبول)

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعد سیمینِ خود را رنجہ کرد

باقی رہا یزید کا اہلِ بیتِ نبوی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اس افسانے کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ابتدا میں تو یزید نے حضرت سید الشہداءؑ اور خانوادۂ عصمت و طہارت پر جو مصائب و آلام کے پہاڑ ڈھائے اُن کی رام کہانی ابھی ابھی علمائے اہلسنت کی زبانی آپ سماعت کر چکے ہیں۔ چونکہ شہادت حسینؑ سے یزید کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ حسینؑ کو شہید کرا کے اُن کے نام و نشان کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔ اور اس طرح اس کی سلطنت مستحکم و مضبوط ہو جائے گی۔ اور وہ لوگوں کا محبوب القلوب حکمران بن جائے گا۔ لیکن اس کے علی الرغم ہوا یہ کہ مظلوم کا خون رنگ لایا۔ اور آناً فاناً یہ حکومت کے ارکان متزلزل ہو گئے۔ ملک میں حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔ اور یزید عنید کے خلاف غم، غصہ اور نفرت و حقارت کی لہریں دوڑنے لگیں جب اس خبیث نے ان حالات کا مشاہدہ کیا۔ تو اب اپنے حالات پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس نے اسیران اہلبیت سے قدرے اچھا سلوک کیا۔ اور شہادت حسینؑ کی ذمہ داری ابنِ زیاد ملعون پر عائد کرتے ہوئے برملا اُسے لعن طعن کیا اور یہ کہا کہ خدا لعنت کرے ابنِ زیاد پر کہ جس نے مجھے لوگوں کے نزدیک مبغوض کر دیا۔ (مقتل الحسین) یہ جملے کس وضاحت کے ساتھ اس کے احساسِ شکست کی غمازی کر رہے ہیں۔ سچ ہے۔ فتح ہمیشہ مقتولوں کی ہوا کرتی ہے۔ جو جناب سید الشہداءؑ کو حاصل ہوئی۔ بہر حال یہ یزیدی پروپیگنڈا تھا جس کا

نتہ کچھ کور باطن اور کوتاہ نظر لوگوں پر ایسا پڑا کہ آج تک اُس کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن حقیقت بین نگاہ رکھنے والے انسانوں پر یزید کی یہ تلون مزاجی اور چالاکی کب مخفی رہ سکتی تھی وہ حقیقت حال کو اُس کے اصلی خدوخال میں بھانپ گئے اور اُس کی اس عیاری و مکاری کا پردہ چاک کر دیا۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء ص ۲۰۸ طبع مصر پر تحریر فرماتے ہیں ”لما قتل الحسینؑ وبنو ابیہ بعث ابن زیاد برؤسھم الی یزید فسر بقتلھم اولاً ثم ندم لما مقتہ المسلمون علی ذالک وابغضہ الناس“ یعنی جب حضرت حسینؑ اور اُن کے بھائی (اور اولاد اور انصار) شہید ہو گئے۔ تو ابن زیاد نے اُن کے سرہائے مبارکہ کو (مع پردگیان عصمت وطہارت) یزید کے پاس بھیج دیا۔ پس پہلے تو یزید اُن کی شہادت پر بہت خوش وخرم ہوا لیکن جب مسلمانوں اور عامۃ الناس نے اُسے دشمن سمجھنا شروع کر دیا۔ تو اُس نے مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر اپنے کیے پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا۔ یہ ہے یزید کے اہلِ بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی حقیقت۔ اہلِ انصاف ہی بتلائیں۔ کہ اس میں اس کی فضیلت ہے یا فضیحت؟ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

لیکن بایں ہمہ ع اگر اب بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

باقی رہا گیلانی صاحب کا یہ کہنا ”کہ سب سے اول ماتم یزید کے گھر ہوا الخ“ یہ حقائق تاریخیہ سے گیلانی صاحب کی جہالت یا تجاہل کی قطعی دلیل ہے۔ ورنہ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے ماتم زنانِ مہاجرین و انصار نے بحکم نبی مختارؐ اُن کے عم نامدار حضرت حمزہ کی شہادت پر کیا تھا ملاحظہ ہو

سیرت الحلبیہ ج ۲ صفحہ ۲۲۸ طبع مصر وکذا فی السیرت النبوۃ ومعارج النبوۃ) اور دوسرا
ماتم جو پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہے وہ ام المومنین عائشہ اور دیگر ازواج النبی و
صحابیات کا ہے جو انہوں نے سرور کائنات کی وفات حسرت آیات پر کیا۔ جس کا
ثبوت اعتراض نمبر ۱۵ اور ۲۲ کے جوابات کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے۔ وہاں
رجوع کیا جائے۔ اور اسلام میں تیسرا نمایاں ماتم وہ ہے جو شہادت حسینؑ کے بعد خیام
حسینی کو آگ لگنے کے وقت مخدرات عصمت و طہارت نے کیا۔ (نفس المہموم وغیرہ)
اور چوتھا ماتم وہ ہے خود سرور کائناتؐ نے عالم برزخ میں اپنے سر و ریش مبارک
پر خاک ڈال کر شہادت حسینؑ پر کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ولائح ہو گیا۔ کہ سید الشہداءؑ کے غم میں
گریہ و بکا اور ماتم و عزا کرنا رسولِ خدا اور اُن کی آلِ اطہار کی سنت ہے۔ نہ کسی
اور کی اور یہ عمل کرنے والے آنحضرتؐ کے متبع ہیں نہ کسی اور کے؛

وفقنا اللہ مما یحب ویرضیٰ واماتنا علی الایمان وسنۃ
النبی وآلہ الطاہرین علیہ وعلیہم السلام

ع۔ گر نیابد بگوشِ حقیقت کس
بر رسولاں بلاغ باشد و بس

والسلام علی من اتبع الہدیٰ
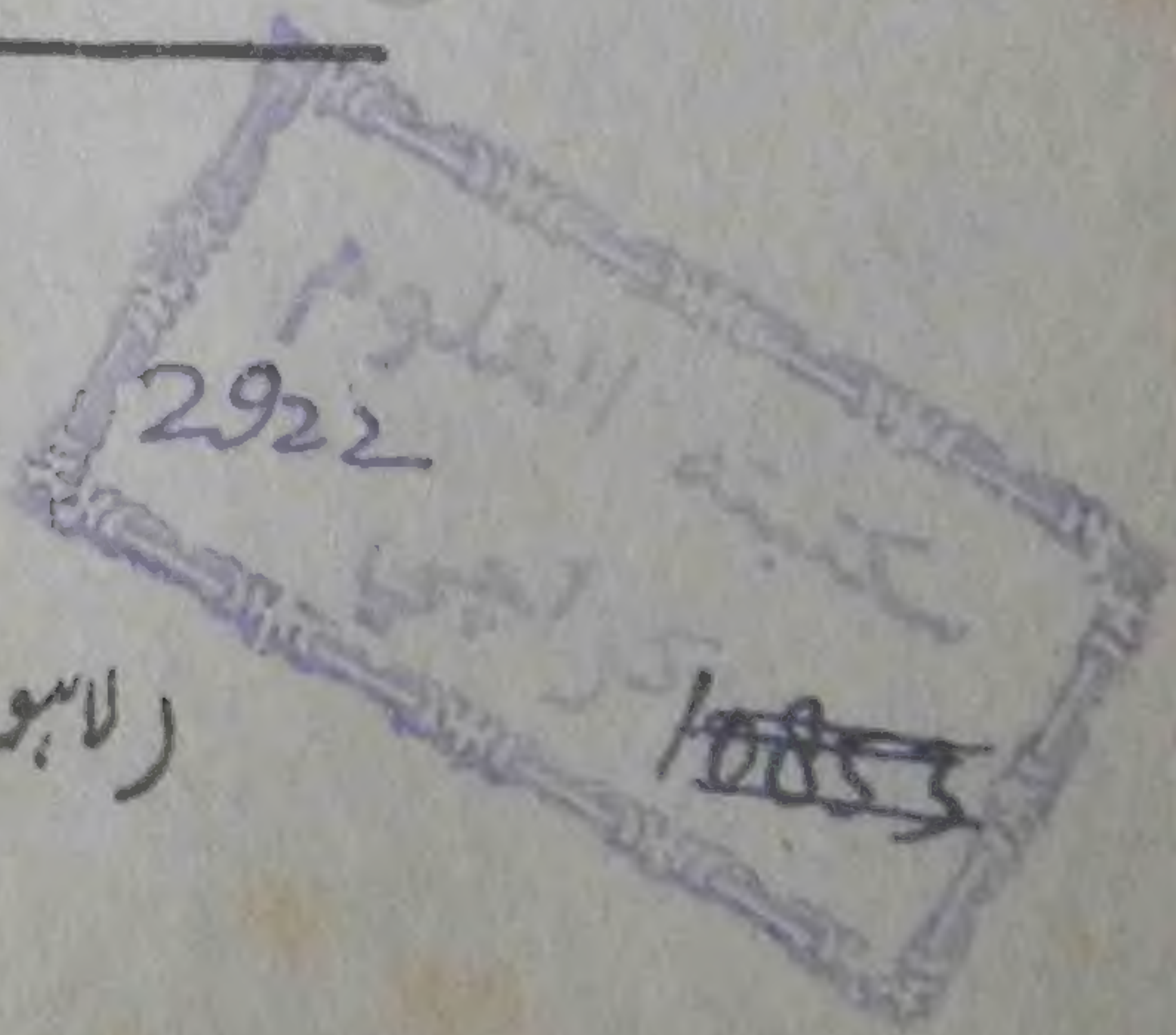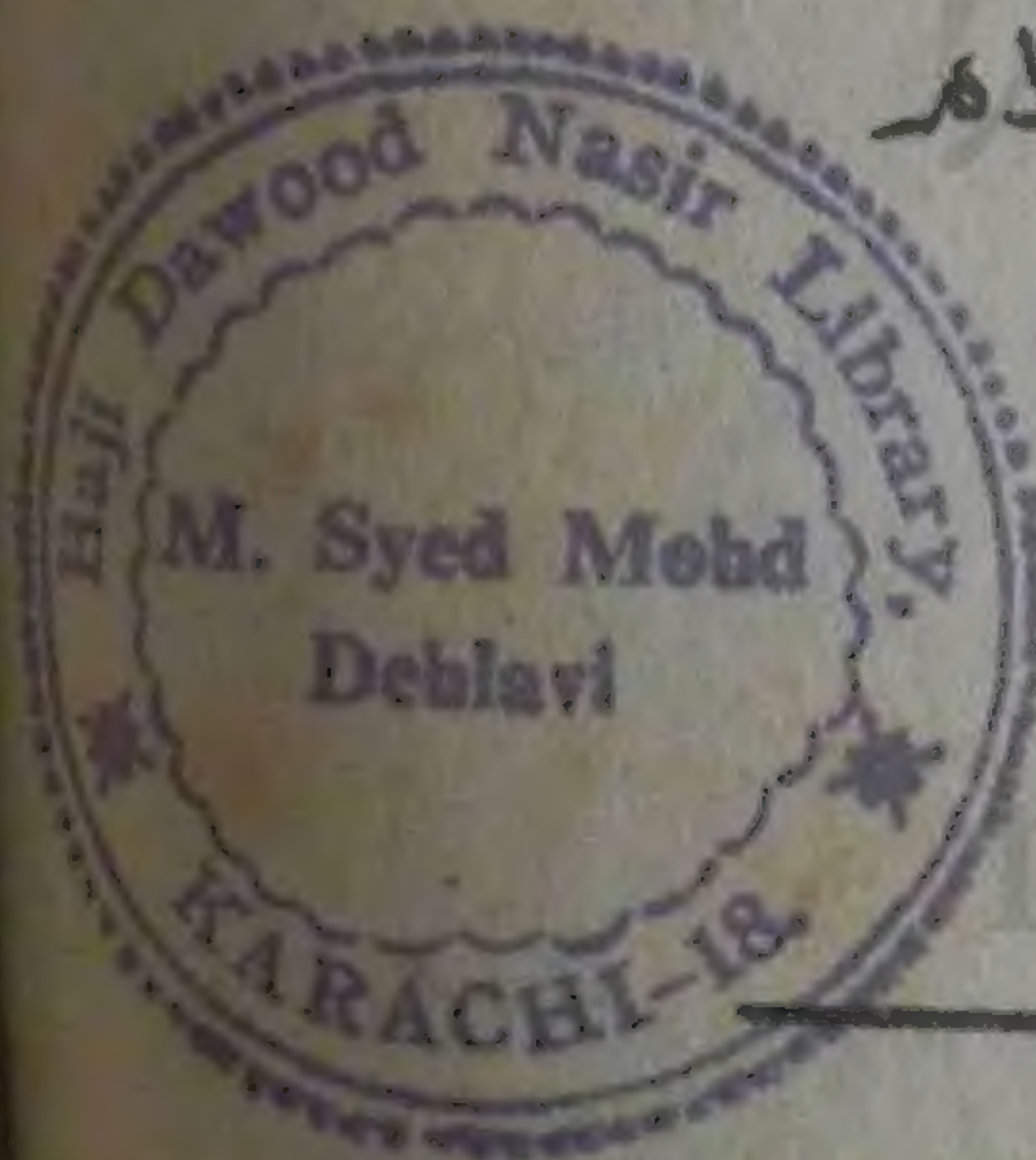
(لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور)